[illegible]

[illegible]

Iqbal Library

یورپ کی حکومتیں

حصّہ اوّل

از

ڈاکٹر سیّد نجم الدّین احمد جعفری بار ایٹ لا

مظہر انصاری بی اے (آنرز)

مکتبہ جامعہ

cat
940
N145 E

گیلانی پرنٹنگ ورکس دہلی

ACC. NO. 305982

ALLAMA IQBAL LIBRARY
305982

KASHMIR UNIVERSITY
Iqbal Library
Acc. No 30598
Dated 11-5-

قیمت ع
۱۹۳۹ء
اوّل ا ہزار

فہرست مضامین

1762

ابواب	عنوان	صفحہ
	پیش لفظ	۱۰
	مقدمہ ۔ حکومت اور قانون حکومت کی تعریف ۔ حکومت کی ابتدا ۔ حکومت کی قسمیں ۔ ملوکیت ۔ جمہوریت ، پارلیمنٹری حکومت ۔ مرکزی حکومت ۔ قانون کیا ہے ؟ قانون کے عناصر ۔ گورنمنٹ ۔	
	برطانیہ عظمیٰ	
باب ۱	دستوری حکومت کی داغ بیل سنہ ۵ء سے سنہ ۱ء تک ۔ دوسرا دور سنہ ۱۰۶۶ء سے سنہ ۱۲۱۶ء تک ۔ پارلیمنٹ کا عروج ۔ پریوی کونسل ۔ پارلیمنٹ اور ٹیوڈر بادشاہ ۔ خودسر اسٹوارٹ ، پُرامن انقلاب ۔ سترھویں صدی کے بعد ۔ دارالعوام کا عروج ۔	۱۷
باب ۲	تاج ، وزرا اور کابینہ دستور اساسی کے تین ستون ۔ بادشاہ کی حیثیت ۔ تخت نشینی ۔ مراعات شاہی	۲۷

تاج اور وزرا۔ کابینہ کی تشکیل۔ وزیروں کی ذمہ داری۔
وزیر اعظم کی پوزیشن۔ کابینہ کی اہمیت۔ کابینہ کا اجلاس۔

باب ۳ پارلیمنٹ۔ دارالعوام ۴۰
پارلیمنٹ کا اہم جزو۔ دارالعوام کے افسران۔ دارالعوام کی تشکیل۔
دارالعوام کی کمیٹیاں۔

باب ۴ پارلیمنٹ۔ دارالامرا ۴۷
پارلیمنٹ کا ایک دوسرا جزو۔ دارالامرا کا طریق کار۔ دارالامرا کے
افسران۔ دارالامرا کی اصلاح کا سوال۔

باب ۵ پارلیمنٹ۔ قانون سازی۔ ۵۲
مالی مسودے۔ نجی مسودے۔

باب ۶ پارلیمنٹ۔ فضا۔ ۵۶
دارالعوام کی پارلیمنٹری زبان۔ دارالعوام کی بعض عجیب رسمیں۔

باب ۷ سیاسی پارٹیاں ۶۸
پارٹیوں کی اہمیت۔ سیاسی پارٹی اور کابینہ کا تعلق۔ پارٹیوں کا آغاز۔
اٹھارویں صدی میں۔ پارٹیوں کی انتخابی سرگرمیاں۔

باب ۸ انصاف و عدالت ۸۶

باب ۹ لوکل گورنمنٹ ۸۹

باب ۱۰ دولت متحدہ برطانیہ ۹۱
کینیڈا۔ دولت مشترکہ آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ کی یونین نو آبادیاں اور

ذمہ داریاں۔

فرانس

باب ۱۱ جمہوری حکومت کا آغاز ۹۹

فرانسیسی جمہوریت کا تاریخی پسِ منظر

باب ۱۲ دستور کی حدود۔ صدر جمہوریہ ۱۰۵

صدر کا انتخاب۔ صدر کے اختیارات

باب ۱۳ دستور کی حدود۔ وزراء کابینہ ۱۱۰

ان کی ذمہ داری اور پوزیشن

باب ۱۴ پارلیمنٹ کی تشکیل۔ سینیٹ اور چیمبر آف ڈپٹیز ۱۱۳

سینیٹ اور چیمبر کے تعلقات۔ چیمبر آف ڈپٹیز طریق انتخاب۔ چیمبر کے اجلاس۔

چیمبر کے ممبر اور ان کا طرزِ عمل۔ چیمبر کی فضا۔ چیمبر کا نظام اور طریقِ کار۔

پارلیمنٹ اور قانون سازی۔ مالیات اور مالی مسودے۔

باب ۱۵ سیاسی پارٹیاں ۱۳۳

سوشلسٹ پارٹی

باب ۱۶ شعبہ انتظامی ۱۲۷

جوڈیشل اور سول ایڈمنسٹریشن۔ سول سروس۔ افسرِ ضلع۔

لوکل گورنمنٹ۔

اٹلی

باب ۱۷ آئینی ارتقا ۱۴۰

ابتدائی حالات۔ نپولین کے حملہ کا اثر۔ نپولین کے بعد۔ آسٹریا کا غلبہ۔ انقلاب فرانس۔ وحدتِ قومی کا تصور۔ قومی اتحاد۔ دستور کی دو خصوصیات

باب ۱۸ عناصر دستور۔ بادشاہ اور وزرا۔ ۱۴۶

بادشاہ کی دستوری حیثیت۔ بادشاہ اور وزارت کے تعلقات۔ وزرا اور قانون سازی۔ وزرا اور پارلیمنٹ۔ وزرا کی مشکلات۔

باب ۱۹ اطالوی جمہوریت کے عناصر۔ سنیٹ اور چیمبر آف ڈپیٹیز ۱۵۰

سنیٹ کی تشکیل۔ چیمبر آف ڈپیٹیز۔ طریق انتخاب۔ حقوق رائے دہی۔ اٹالین پارلیمنٹ کا طریق کار۔

باب ۲۰ ملک کی سیاسی فضا۔ پارٹیاں ۱۵۴

کلیسا اور حکومت کی کش مکش۔ کلیسا کی طرف سے حکومت کا بائیکاٹ۔ بائیکاٹ کا نتیجہ۔ پست معیار سیاسیات۔ سوشلسٹوں کا عروج۔ کلیسا کی سیاسیات میں واپسی۔ کلیسا سوشلسٹوں کی مخالفت پر۔ کیتھولک پارٹی کا قیام مسولینی کا دھاوا۔ مسولینی کے مطالبات۔ مسولینی کی حکومت اور سوشلسٹوں کی سرکوبی۔ کیتھولک مسولینی کی مخالفت پر۔ کمیشن اصلاح رائے دہی۔ سوشلسٹوں کی مخالفت۔ حکومت کی سخت گیری مسولینی کا سوشلسٹوں پر حملہ۔ فاسسٹوں کی نظامِ حکومت پر گرفت

	مسولینی کی ڈکٹیٹری ۔ فاسسٹ حکومت کی تھیوری ۔	
باب ۲۱	نظام حکومت ۔ شعبہ عدل و انصاف اور لوکل گورنمنٹ	۱۶۴
	لوکل گورنمنٹ ۔ کمیون ۔	
	سوئٹزرلینڈ	
باب ۲۲	حکومت کے خصوصی پہلو	۱۶۷
	سوئٹزرلینڈ کی دستوری فوقیت ۔ جغرافیائی پوزیشن کا اثر ۔ ارتقائے حکومت کی تاریخ ۔ حکومت عوام ۔	
باب ۲۳	صوبوں کی حکومت ۔	۱۷۱
	صوبہ اور مرکز کا رشتہ ۔ پنچایتی راج ۔	
باب ۲۴	وفاقی حکومت ۔ اسمبلی	۱۷۶
	اسمبلی کی تشکیل ۔ فیڈرل کونسل ۔ ایوانوں کے اجلاس ۔ قانون سازی ۔ تاجرانہ طریق حکومت ۔ جماعت بندی مفقود ۔ ریفرنڈم یا عوام کی رائے پوچھنا مطالبۂ قانون سازی ۔	
باب ۲۵	وفاقی حکومت ۔ کونسل	۱۸۲
	انتظامی مجلس ۔ کونسل میں اختلاف رائے ۔ کونسل کے فائدے ۔	
باب ۲۶	سیاسی پارٹیاں	۱۸۶
	چار جماعتیں ۔	

جرمنی

باب ۲۷ | دستوری ارتقا کی داستان | ۱۸۸

تمہید۔ جمہوریت پسندی اور شخصی حکومت کی کش مکش ۱۸۱۵ء سے ۱۸۴۸ء تک آسٹریا کی قیادت۔ پروشیا میں اسمبلی کا قیام۔ جمہوریت کی تخم ریزی انقلاب پیرس کا اثر۔ قومی اتحاد کا تصور اور پروشیا کی قیادت بسمارک کے جوڑ توڑ۔ نفاذِ دستور۔ دستور کے بنیادی اصول۔

باب ۲۸ | ۱۸۷۱ء کا دستور۔ جرمن ایمپائر کا قیام | ۱۹۴

اتحاد کی تکمیل تقسیم اختیارات کا سوال۔ مرکز اور ریاستوں کا انتظامی تعلق۔ پروشیا کی امتیازی حیثیت۔

باب ۲۹ | ۱۸۷۱ء کا دستور۔ قیصر | ۱۹۷

شاہ پروشیا کا نیا عہدہ۔ قیصر کی اختیارات۔ لامحدود طاقت۔

باب ۳۰ | ۱۸۷۱ء کا دستور۔ چانسلر اور فیڈرل کونسل | ۲۰۰

ایک فرد کا کابینہ۔ قیصر اور چانسلر کا تعلق۔ فیڈرل کونسل کی انتظامی اختیارات۔

باب ۳۱ | ۱۸۷۱ء کا دستور۔ ریشتاخ | ۲۰۴

طریق انتخاب۔ عہدہ دار۔ کارروائی۔ محدود اختیارات۔ حکمرانی۔

باب ۳۲ | جنگ عظیم کے بعد | ۲۰۸

	حکومت عوام۔ سوشلسٹوں کی حکومت۔ مزدوروں اور فوجیوں کا اختلاف۔ ۱۹۱۹ء کا دستور۔ عوام کا حقِ حکمرانی موجودہ دستور۔ دستور میں ترمیمیں۔ جرمن ریاستوں کی حیثیت۔ قومی کونسل۔ صدر کی پوزیشن۔	
باب ۳۳	**نازیوں کی ابتدا اور ان کا عروج** صلحنامہ ورسائی کا اثر۔ ھٹلر کا سیاسیات میں داخلہ۔ ھٹلر چانسلری کے منصب پر۔	۲۱۴

پیش لفظ

ہندوستان میں سیاسی بیداری بڑی تیزی سے پھیل رہی ہی۔ ایسی حالت میں خواص وعوام کو سیاسی لٹریچر کی شدید ضرورت ہی۔ سیاسی لٹریچر سے میری مراد وہ لٹریچر نہیں ہی جس میں جماعتی پروپیگنڈہ کا عنصر غالب ہوتا ہی بلکہ میرا مطلب ایسے لٹریچر سے ہی جو ذہنوں کی سیاسی تربیت کرتا ہی۔

"یورپ کی حکومتیں" لکھکر ڈاکٹر جعفری اور مظہر انصاری صاحب نے اسی قسم کے لٹریچر میں ایک مفید اور بیش بہا کتاب کا اضافہ کیا ہی۔ اس میں انھوں نے یہ دکھایا ہی کہ یوربین ممالک میں عوام اپنے نمائندوں کے ذریعے کس طرح حکومت کرتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ صوبجاتی خوداختیاری اور فیڈریشن اسکیم سامنے ہوتے ہوئے ہندوستانیوں کو یورپ کی حکومتوں کے طرز حکمرانی سے باخبر ہونے کی سخت ضرورت ہی۔ اس اعتبار سے یہ کتاب اہلِ ہند کی ایک اہم سیاسی ضرورت کو پورا کرتی ہی۔ اور اسے اُردو لٹریچر میں ایک قابلِ قدر اضافہ سمجھنا چاہیئے۔

اس کتاب میں برطانیہ، فرانس، اٹلی، سوئٹزرلینڈ اور جرمنی کے نظام حکومت پر روشنی ڈالی گئی ہی اور تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہی کہ

ہر ملک میں حکومت کے مختلف شعبے کس طرح فرائض حکمرانی سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ ہر ملک کے بیان میں تذکرہ چھیڑنے سے پہلے اس ملک کے سیاسی ارتقا کی تاریخ بھی بیان کر دی گئی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ موضوع کافی خشک تھا۔ مگر جا بجا دلچسپ واقعات بیان کر کے اسے اتنا دلچسپ بنا دیا گیا ہے کہ پڑھنے والوں کا جی اکتاتا نہیں۔ کتاب کے وہ حصّے خاص طور پر دلچسپ ہیں جن میں مختلف ممالک کی پارلیمنٹوں اور سیاسی پارٹیوں کے حالات یا ان کی تشکیل کی تاریخ ہے۔

جہاں تک کتاب کی زبان کا تعلق ہے مجھے یہ دیکھکر بڑی خوشی ہوئی کہ ایک ایسی کتاب میں بھی جو فن حکمرانی پر لکھی گئی ہے معیار زباں دانی کو قائم رکھنے کے باوجود اس قدر عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے جسے بڑے بڑے فاضلوں سے لے کر طلبا تک خوب دلچسپی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کی اردو داں طبقے میں قدر کی جائے گی۔

پبلشر

مقدمہ

حکومت اور قانون

حکومت کی تعریف اس جماعت کو حکومت کہتے ہیں جو سوسائٹی کو جائز حدود میں رکھنے کے لیے قانون بناتی ہے۔

سوسائٹی کے مختلف شعبوں جیسے معاشیات، اقتصادیات، اور اخلاقیات وغیرہ سے بھی حکومت کو علاقہ رکھنا پڑتا ہے تاکہ وہ ہر اعتبار سے سوسائٹی پر اپنا اثر ڈال سکے۔

عام طور پر ایک سوسائٹی کے تین اجزا ہوتے ہیں۔ اول خاندان دوسرے مشترک فائدے یا کسی اثر کے ماتحت قائم کئے ہوئے گروہ جیسے ٹریڈ یونین وغیرہ، اور تیسرے وہ جماعتیں جن میں انسان کسی خاص فائدے کو سامنے رکھکر نہیں بلکہ قصداً شریک ہوتا ہے۔ حکومت کو ان سے براہِ راست تو کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر اپنے وضع کردہ ضابطے کو رواج دینے اور امن وامان قائم رکھنے کی غرض سے وہ ان سب کو اپنے اثر میں رکھنے پر مجبور ہوتی ہے۔

اس صورت میں جب سوسائٹی کے مختلف حصّے ایک ہی معاشرتی نظام سے شیرازہ بند ہوں، حکومت اور سوسائٹی کی حدیں منطبق ہوجاتی ہیں۔ برخلاف اس کے اگر سوسائٹی کا کوئی مشترکہ معاشرتی نظام نہیں ہوتا تو حکومت کا دائرۂ اثر ان مختلف اجزائی معاشرت کا احاطہ کرلیتا ہے۔

قانون ساز کی حیثیت میں انسان حکمراں یا حاکم ہوتا ہے۔ پروفیسر میسیرز لکھتا ہے

"بنیادی اعتبار سے حکومت ہی ایک ایسی جماعت ہوتی ہے جسے یہ حق پہونچتا ہے کہ جماعتی ضابطے کو قیام دے۔ اس غرض کی تکمیل کیلئے اس کے مرکزی ادارے کی پشت پر تمام قوم کی متحدہ طاقت ہوتی ہے۔" اسی طرح ایک اور ماہر سیاسیات کہتا ہے "حکومت کسی ایسے ادارے یا اداروں کے مجموعے کا نام ہے جو بعض مشترک مقاصد کو پورا کرنے کیلئے معیّنہ حدود کے اندر بسنے والوں کو کسی ایک مشترک ضابطے کا پابند کر دیتا ہے۔"

حکومت کی ابتدا

حکومت کی ابتدا پر تاریخی اور قیاسی دونوں اعتبار سے روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ تاریخی اعتبار سے حکومت کے آغاز کی تین صورتیں ہیں پہلی صورت میں حکومت انسانوں کے کسی ایسے گروہ سے شروع ہوئی جو اس سے قبل باضابطہ زندگی سے ناآشنا تھے۔ دوسری صورت میں حکومت کا آغاز انسانوں کے کسی ایسے گروہ سے ہوا جو حکومت اور سلطنت کے معاملات سے آگاہی رکھتا تھا۔ اس صورت میں یا تو کئی حکومتوں کے مل کر ایک ہو جانے سے حکومت وجود میں آئی یا کسی بڑی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کئی حکومتیں ہو جانے سے۔ تیسری صورت وہ ہے جسمیں حکومت کسی بیرونی اثر سے بنی۔

قیاسی اعتبار سے بھی آغاز حکومت کی تین ہی صورتیں ہیں اوّل معاشرتی میثاق جس کی رُو سے فرد نے اپنے فطری حقوق میں سے چند اس لئے چھوڑ دیئے گوارا کر لئے کہ مجموعی طور پر سوسائٹی کا مفاد محفوظ نہ ہو جائے۔ اس انفرادی قربانی کے عوض سوسائٹی نے فرد کے تحفظ کا بار اپنے اوپر لے لیا۔ دوسری صورت وہ ہے جس میں حکومت "منزّل من اللہ" یا عطائے ربّانی مانی جاتی ہے اور حاکم وقت خدا کا نائب گردانا جاتا ہے۔ اور تیسری صورت وہ ہے جس میں حکومت بزور قائم ہوتی ہے یعنی حکومت کا وجود اس طاقت کی بنا پر ظہور میں آتا ہے جو کمزور کو طاقتور کے سامنے بجا لانی پڑتی ہے۔

حکومت کی قسمیں

اس لحاظ سے حکومت کی تین شکلیں ہوئیں۔ اوکیت، امارت اور جمہوریت

ملوکیت میں حکمرانی کے اختیارات فرد واحد کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ وہ بادشاہ کہلاتا ہے اور وراثتاً حکومت کا مالک ہوتا ہے۔ کبھی کبھی وہ انتخاب سے بھی تخت نشین ہوتا ہے قدیم زمانوں میں شاہان روم اسی طرح تخت نشین ہوتے تھے۔

ملوکیت کی بھی دو قسمیں ہیں مطلق العنانی ملوکیت اور محدود ملوکیت مطلق العنان ملوکیت میں بادشاہ کی مرضی تمام معاملات میں اوروں سے برتر سمجھی جاتی ہے۔ زارِ روس کی ملوکیت ایسی ہی تھی۔ محدود ملوکیت میں بادشاہ کے اختیارات کی دستوری قوانین سے حدبندی کردی جاتی ہے۔ انگلستان کا بادشاہ اس کی مثال ہے۔

امارت میں ایک محدود اور مخصوص جماعت حکومت کرتی ہے۔ جب یہ جماعت حکومت کی جگہ اپنی ذاتی غرضیں پوری کرنے میں مصروف ہو جاتی ہے تو امارت استبدادیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ قدیم زمانہ کی اکثر حکومتوں کی تاریخ یہی بتاتی ہے۔

جمہوریت یا حکومت عوام اس قسم کی حکومت یا تو بلاواسطہ ہوتی ہے یا بالواسطہ بلاواسطہ جمہوریت میں حکومت کی حدود میں بسنے والے عوام کی مجموعی رائے سے دستور حکومت بنتا ہے۔ یہ طریق سوئٹزرلینڈ میں ہے۔ بالواسطہ جمہوریت میں عوام اپنے نمائندوں کے ذریعے سے قانون بناتے ہیں۔ فرانس، امریکہ وغیرہ ملکوں کی حکومتیں اسی ڈھنگ پر چلتی ہیں۔

پارلیمنٹری حکومت جمہوری حکومت کی بھی چار قسمیں ہیں۔ اوّل کابینہ کی حکومت دوسرے صدر کی حکومت، تیسرے مرکزی یا وحدتی حکومت چوتھے وفاقی حکومت۔

کابینہ کی حکومت کو ذمہ دار یا پارلیمنٹری حکومت بھی کہتے ہیں۔ اس میں حکمرانی کا کام ایک کمیٹی کرتی ہے۔ برطانیہ میں اصلی حکمراں کابینہ ہی ہے۔

صدر کی حکومت صدر کی حکومت امریکہ میں ہے وہاں جمہوریہ کا صدر حکومت کرتا ہے۔

وہ جماعتہائے قانون ساز کا رکن نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے اثرات سے بالاتر رہتا ہے۔ چونکہ وہ عوام کا چُنا ہوا ہوتا ہے اس لئے کانگریس یا امریکہ کی جماعت قانون ساز اسے اپنا پابند نہیں کر سکتی۔ البتہ وہ اس پر غدّاری کا الزام لگا سکتی ہے۔ صدر کے وزیروں کی بھی یہی حیثیت ہوتی ہے۔

مرکزی حکومت مرکزی یا وحدتی حکومت مرکز کی حکومت ہوتی ہے جس کی ماتحت حکومت کے تمام صوبجاتی ادارے کاروبار حکومت انجام دیتے ہیں۔ انگلستان کی حکومت کو مرکزی حکومت کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مشنری کا مرکز ویسٹ منسٹر ہے۔ ضلعے اس کے کل پُرزے ہیں۔ وفاقی حکومت ایک طرح کی دوعملی ہوتی ہے جس میں مرکزی اور صوبائی دونوں حکومتیں اپنے اپنے حلقوں میں کام کرتی ہیں۔ یہ حلقہائے کار دستور اساسی میں واضح کر دیئے جاتے ہیں۔ یینیڈا میں اسی وضع کی حکومت رائج ہے۔

قانون کیا ہے قانون ان قواعد کا مجموعہ ہوتا ہے جو ایک سوسائٹی کا حکمراں سوسائٹی کے مجرموں کیلئے جاری کرتا ہے۔ اس مجموعۂ قواعد کی اطاعت لازمی ہوتی ہے۔ اور روگردانی کرنے والوں کو مقررہ سزا دی جاتی ہے۔

قانون ہمیشہ رسم ورواج کے ماتحت ہوتا ہے۔ سوسائٹی کے ارتقا کے ساتھ ساتھ کچھ رسوم قوت پکڑتی جاتی ہیں۔ اور بالآخر وہ غیر منظم قانون کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ ان کی پابندی بھی مجلسی یا مذھبی اثر کی وجہ سے لازمی ہوتی ہے۔ بسا اوقات یہ رسوم و رواج ایسی زبردست قوت حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کیخلاف جانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ حکومت انھیں قانون کی شکل دے دیتی ہے۔ اور انکی متابعت کراتی ہے۔

قانون کے عناصر قانون ہمیشہ تین عناصر پر ہوتا ہے۔ اوّل رسم ورواج دوسرے خاص خاص واقعات پر ججوں کے مدوّن فیصلے اور تیسرے

مجالس قانون کے بنائے ہوئے قوانین جو قوت قانون بناتی ہے اسے حکومت کہتے ہیں۔ کہیں یہ قوت تاج کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے کہیں جماعتہائے قانون سازی کی صورت میں۔ انگلستان میں بادشاہ اور پارلیمنٹ اور فرانس میں جمہوریت اور جمہوریت کا صدر مل کر "حکومت" بنتے ہیں۔

گورنمنٹ جس نظام کے بل پر یہ قوت حکومت کرتی ہے اسے گورنمنٹ کہتے ہیں۔ گورنمنٹ دوسرے لفظوں میں حکومت کی مشینری ہے اس کے بغیر حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ گورنمنٹ کی اصلی غرض امن و امان قائم کرنا ہے۔ اس غرض کو پورا کرنے کیلئے فوجی طاقت، قانون ساز قوت اور مالی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر حکومت ان تینوں وسائل کو مہیا کرتی ہے اور ایسے قوانین نافذ کرتی ہے جن سے راعی اور رعایا دونوں کے حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں۔

باب ا

برطانیۂ عظمیٰ

"دستوری حکومت کی داغ بیل"

دنیا کی دستوری سلطنتوں کے تذکرے کا آغاز برطانیہ عظمیٰ سے کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اہلِ ہند برطانیہ عظمیٰ سے دیگر حکومتوں کی بہ نسبت زیادہ قریب واقع ہوئے ہیں بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ اُن تمام مُلکوں میں جو دستوری آئین رکھتے ہیں، برطانیہ کو قدامت اور مثالی ارتقائے سیاسی کے اعتبار سے نمایاں ترین حیثیت حاصل ہے۔ جس طرح اہلِ روما فنِ تعمیر کے اور اہلِ یونان فنونِ جنگ کے بانی مبانی سمجھے جاتے ہیں، اسی طرح فنِ حکومت میں انگریز دُنیا کی سب قوموں سے سبقت لے گئے ہیں۔ جمہوری نظامِ حکومت کا ارتقا جس نظم اور تسلسل کے ساتھ انگلستان میں ہوا، اس کی نظیر کسی اور ملک میں نہیں ملتی۔"

۵۰۰ء سے ۱۰۶۶ء تک

انگریزوں کی دستوری تاریخ اینگلوسیکسنوں کے دور سے شروع ہوتی ہے جو پانچویں صدی عیسوی سے لیکر نارمنوں کے حملے (۱۰۶۶ء) تک ہے۔ اس دور میں بعض ایسے دستوری ادارے (Constitutional Institutions) بنے جنھیں آگے چل کر بڑی اہمیت حاصل ہوگئی۔ جیسے بادشاہت، مجلسِ مُدبّرین، لوکل گورنمنٹ اور شہریت وغیرہ۔ ابتدا میں جنگجو قبائل کے سردار اپنے اپنے قبیلوں کے بادشاہ ہوتے تھے جوں جوں بندوبستِ حکومت پختہ ہوتا گیا، قبائلی حکومتیں بڑی حکومتوں کی انتظامی

ضلعوں کی شکل اختیار کرتی گئیں، اور نویں صدی عیسوی میں تمام ملک ایک بادشاہ کے ماتحت آگیا۔

سیکسنوں میں بادشاہ منتخب ہوا کرتا تھا۔ اس کے اختیارات محدود تھے۔ ملک کے چیدہ افراد کی مجلس اُسے چنتی تھی جس کے مشورے سے وہ احکامات صادر کرتا تھا۔ اس مجلس (councillor) میں شاہی خاندان کے افراد، اہلِ کلیسا، اضلاع کے اہلِ نظم اور افسرانِ حکومت شامل ہوتے تھے۔

دُوسرا دور ۱۰۶۶ء سے ۱۲۱۶ء تک

اس زمانہ میں بادشاہ کی طاقت بڑھی نظامِ جاگیرداری (Feudalism) قائم ہوا۔ جس کی بنیاد دو بڑے اداروں محکمہ انصاف (Curia) اور محکمہ مالیات (Exchequer) پر رکھی ہوئی تھی۔ ان محکموں کے افسرانِ اعلیٰ چانسلر اور ٹریژرر کہلاتے تھے۔ محکمہ انصاف کے مُنصف تمام ملک میں دورہ کرتے تھے اور جا بجا ان کی عدالتوں کے اجلاس ہوتے تھے۔ بستیوں کے سرکردہ افراد (Sheriff) سال میں دو بار محکمہ مالیات کے افسر اعلیٰ کے حضور میں شائروں کے حسابات پیش کرنے کے لئے آتے تھے۔ یوں مرکزی اور مقامی حکومتیں ایک دوسرے سے وابستہ رہتی تھیں۔ ولیم اول برائے نام مجلس سے صلاح لیتا تھا، جس کا نام مجلس اعظم (Great Council) پڑ گیا تھا۔ ولیم کا اصلی کارنامہ اپنے ماتحت مضبوط نظامِ جاگیرداری کی بنیاد رکھنا ہے۔ جس میں جاگیردار بادشاہ کی اعانت کے پابند تھے۔ ولیم کے بعد اسٹیفن کے دور (۱۱۳۵ء تا ۱۱۵۴ء) میں یہ نظام بہت کمزور ہوگیا۔ مگر ہنری دوم (۱۱۵۴ء تا ۱۱۸۹ء) نے خرابیوں کو دُور کرنے پر کمر باندھی۔ ملک میں شاہی ججوں کے دورہ کا مستقل انتظام کیا۔ بڑے بڑے اُمرا کی جگہ شیرف کے عہدہ پر وکلاء اور فوجیوں کو مقرر کرکے مقامی معاملات میں

مرکزی حکومت کا اثر بڑھایا۔ کبھی کبھی مجلسِ اعظم بھی طلب کی جاتی اور وقت کے اہم مسائل اس کے سامنے رکھے جاتے۔ شاہِ جان کے عہد میں بادشاہ کی چیرہ دستیوں کے خلاف جاگیرداروں نے منظم بغاوت کر دی۔ بادشاہ نے جب دیکھا کہ تخت و تاج چھن جانیکا احتمال ہے تو جاگیرداروں کے مطالبات تسلیم کرنے پر رضامند ہو گیا۔ مطالبات اور حقوق معرضِ تحریر میں آئے۔ ۱۵ر جون ۱۲۱۵ء کو شاہی فرمان کے ذریعہ بادشاہ نے ان کو تسلیم کر لیا۔ اس فرمان کا تاریخی نام فرمانِ اعظم (Great Charter) ہے۔ راعی اور رعایا کے مابین یہ ایک معاہدہ تھا جس میں بادشاہ کی طرف سے کلیسا کی آزادی، نظامِ جاگیرداری کی روایات کی بقا، بستیوں کی آزادی اور املاک اور تجارت کے تحفظ کا یقین دلایا گیا تھا۔ اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ مجلسِ اعظم کی صلاح لئے بغیر آئندہ بادشاہ کوئی قدم نہیں اٹھائیگا۔ بنیادی طور پر فرمانِ اعظم میں بادشاہ نے دو اصول تسلیم کئے۔ اول یہ کہ نظامِ حکومت بعض ایسے قوانین پر مبنی ہو جن پر عمل کرنا بادشاہ (یا جدید الفاظ میں حکومت) کیلئے لابدی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر حکومت ان پر عمل پیرا ہونے سے انکار کر دے تو قوم کو یہ حق ہے کہ اُسے مجبور کرے اور اگر وہ پھر بھی نہ مانے تو قوم کو اختیار ہے کہ اس کا خاتمہ کر کے دوسری حکومت قائم کرے کسی قوم کے نزدیک کسی دستاویز کو اتنی اہمیت حاصل نہیں جتنی انگریزوں کے نزدیک فرمانِ اعظم کو ہے۔ اور بعض سیاسیین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ برطانوی دستور کی پوری تاریخ فرمانِ اعظم پر ایک تبصرہ ہے۔

پارلیمنٹ کا عروج

شاہِ جان کے وقت سے قوم اور بادشاہ کے درمیان ایک قسم کی کشمکش شروع ہو گئی۔ اور یہ کشمکش اسی وقت ختم ہوئی جب باشندے دستوری حکومت حاصل کر لینے کے بعد مطمئن ہو گئے۔ اس کشمکش میں ایک دستوری ادارے نے باشندوں کی حمایت میں بڑا کام کیا۔ ہماری

مُراد پارلیمنٹ سے ہے۔ پارلیمنٹ کی تشکیل کی طرف پہلا قدم اس وقت اٹھا جب ۱۲۱۳ء میں شاہِ جان نے مالی مشکلات کو حل کرنے کیلئے مجلسِ اعظم میں ہر کاؤنٹی (County) سے چار نمائندے بلائے۔ ۱۲۵۴ء میں ہنری سویم کو جنگی ضروریات کی تکمیل کے لئے روپئے کی ضرورت پڑی تو اس نے بھی ہر کاؤنٹی سے دو نمائندے طلب کیئے تاکہ وہ اُمراء اور نمائندگانِ کلیسا سے مشورہ کر کے بادشاہ کو مالی امداد دینے کی صورتیں نکالیں۔ یہ صورتیں نہ نکل سکیں اور بادشاہ اور امراء کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں بادشاہ ہارا اور اس کی ہار سے پارلیمنٹ کی پوزیشن اور بھی مضبوط ہوگئی، کیونکہ اب جو پارلیمنٹ بلائی گئی اس میں اُمراء اور اہلِ کلیسا کے علاوہ ہر شائر سے چار چار نائٹ (Knight) بھی طلب ہوئے۔ اس طرح شہروں کے نمائندوں کو پہلی بار اُمراء اور اہلِ کلیسا کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنیکا موقع ملا۔ اس کے بعد پارلیمنٹ کے اجلاس مختلف مواقع پر مختلف ڈھنگوں سے ہوتے رہے۔ وہ دستوری تجربات کا دور تھا۔ مگر ۱۲۹۵ء میں جو پارلیمنٹ ایڈورڈ اوّل نے بلائی، اس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دستوری پارلیمنٹ کی وضع قطع کا تعین کردیا۔ اس میں کلیسا اور طبقہ اُمراء کے نمائندوں کے علاوہ ہر شائر سے دو دو نائٹ اور ہر شہر سے دو دو شہری اور ہر برو سے دو برگیس (Burgesses) بھی بُلائے گئے۔ پارلیمنٹ میں تین مختلف جماعتیں بنیں۔ ایک امراء کی، دوسری نمائندگانِ کلیسا کی اور تیسری عوام کے نمائندوں کی۔ مگر رفتہ رفتہ ایوان دو حصوں میں منقسم ہوگیا۔ ایک دارالامراء کہلایا دوسرا دارالعوام۔ ایڈورڈ سوم (۱۳۷۷ء) کے عہدِ حکومت کے خاتمے تک یہ نظام بالکل پختہ ہوگیا۔

چودھویں اور پندرہویں صدیوں میں پارلیمنٹ کی طاقت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ قانون سازی اور مالیات میں اس کے اختیارات بادشاہ کے اختیارات

کے مساوی ہو گئے۔ بلکہ بعض مواقع پر اس کا دائرۂ اختیار بادشاہ کے اختیارات سے بھی زیادہ وسیع ہوگیا مالیات کے معاملہ میں یہ اصول رکھا گیا کہ محصول لگانیکا اختیار صرف پارلیمنٹ کو ہے اور بادشاہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی محصول عائد نہیں کرسکتا۔ قانون سازی کا اختیار اوّل اوّل اُمرا تک تھا مگر رفتہ رفتہ یہ قید اُٹھ گئی اور کل پارلیمنٹ کو قانون سازی کا حق حاصل ہوگیا۔ چودھویں صدی کے آغاز میں اُمرا کی مرضی سے اور عوام کی درخواست پر بادشاہ قانون بناتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں عوام کو قانون سازی کا حق حاصل نہیں تھا۔ وہ صرف درخواست کرسکتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ قوانین بھی جو عوام کی درخواست پر بنائے جاتے تھے، عوام کے مطمحِ نظر کیخلاف نکلتے تھے۔ ۱۳۲۲ء میں ایک دستوری اعلان کے ذریعہ عوام کو یہ حق بھی ملا کہ وہ معاملاتِ سلطنت میں اُمرا کے دوش بدوش اپنی رضا کا اظہار کرسکتے ہیں۔ ۱۴۱۴ء میں ہنری دوئم نے یہ اصول بنایا کہ کوئی ایسا قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو عوام کے مطمحِ نظر کے خلاف ہو۔ اس اصول کی بہت دفعہ خلاف ورزی کی گئی مگر رفتہ رفتہ پارلیمنٹ کے ہاتھوں میں قانون سازی کا اختیار آہی گیا۔

پریوی کونسل جس طرح سیکسنوں کے دور کی مجلس رفتہ رفتہ پارلیمنٹ بن گئی۔ اسی طرح نارمنوں کی مجلس اعظم سے پریوی کونسل (Privy Council) وجود میں آئی۔ مجلسِ اعظم کے اجلاس کسی مقررہ وقفے سے نہیں ہوتے تھے۔ یہی حال پارلیمنٹ کا بھی تھا۔ مگر نظامِ حکومت کو باقاعدگی کے ساتھ چلانے کے لئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو امورِ سلطنت کی تکمیل میں مسلسل اور متواتر منہمک رہے اس غرض کو پورا کرنے کے لئے ایک جماعت مجلس مستقل (Permanent Council) کے نام سے بنائی گئی۔ جسے انتظامی، عدالتی اور مالی اختیارات حاصل تھے۔ مجلس نے کام میں آسانی پیدا کرنے کے لئے خود کو چار حصّوں میں بانٹ لیا (۱) عدالتِ مالیات

(Court of Excheauer) (۲) عدالتِ دیوانی (Court of Common Pleas) (۳) عدالت خاص (Court of Kings Bench) جسمیں ایسے مقدمات فیصل کیئے جاتے تھے جو کسی اور قانونی مد میں نہیں آتے تھے اور (۴) (Court of Chancery) جس کی صدارت برطانیہ کا چانسلر کرتا تھا۔ آگے چل کر مجلس مستقل کے فرائض میں مزید تخصیص کی ضرورت پڑی۔ جس طرح مجلس اعظم میں سے چیدہ چیدہ افراد لیکر مستقل کونسل ترتیب دی گئی تھی، اسی طرح مجلسِ مستقل کے چیدہ افراد لیکر پندرھویں صدی میں ایک پختہ تر انتظامی مجلس پریوی کونسل بنی۔ اور جب سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں یہ بھی "سبک گام عمل" نہ رہی تو اس میں سے مخصوص ممبر لیکر کابینہ ترتیب دیا گیا جو مملکت کا اہم ترین عاملہ ادارہ بن گیا۔

پارلیمنٹ اور ٹیوڈر بادشاہ

ٹیوڈر خاندان کے دور میں بادشاہت کا بڑا زور بندھا جنگ ہائے گلاب (Wars of Roses) سے ملک خستہ و درماندہ ہو گیا تھا۔ اسے آرام اور منظم حکومت کی حاجت تھی ٹیوڈر خاندان کے بادشاہوں نے یہ دونوں چیزیں مہیا کیں۔ چنانچہ اندرونی و بیرونی خطرات کے پیشِ نظر انگریزوں نے منظم بادشاہت کے وجود کو برداشت کر لیا۔ یوں ٹیوڈروں کی بادشاہت کی جڑیں پختہ ہو گئیں کیونکہ اُن کی پشت پر ملک کی تمام جماعتیں تھیں۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ بادشاہ کے نام سے پریوی کونسل ہی راج کرتی تھی۔ اِس کے ممبر عموماً پارلیمنٹ کے ممبر ہوتے تھے۔ نظامِ حکومت کے کل شعبے اُسی کے زیرِ نگیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ خود سر ٹیوڈر بادشاہوں نے بھی پریوی کونسل کے خلاف جانیکی کبھی جرأت نہیں کی۔ گو انھوں نے ہر ممکن طریق سے اس کی نمائندہ حیثیت اور دستوری اہمیت کو گھٹانا ضرور چاہا۔ اُن کی نگاہوں میں پارلیمنٹ اغراضِ شاہی کی تکمیل کا ایک آلہ تھی کہ جب کبھی بادشاہ کو شخصی

فائدہ کے لیئے کوئی قانون بنوانیکی ضرورت پڑی، پارلیمنٹ سے اُسے منظور کرالیا تاکہ ملک کے سامنے آسے پارلیمنٹ کا بنایا ہوا قانون کہہ کر لوگوں کو فریب جمہوریت میں مبتلا کیا جا سکے۔ مگر غائر نظر سے دیکھنے پر یہ کھلتا ہو کہ ان ایام استبداد میں بھی پارلیمنٹ کی قوت اور اُس کے اثر میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ بلحاظ تشکیل دونوں ایوان کچھ سے کچھ ہو گئے۔ دارالاُمرا میں کلیسائی نمائندوں کی تعداد گھٹادی گئی۔ اُمرا کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ دارالعوام کے ممبر تقریباً دوگنے ہو گئے۔ کیونکہ حلقۂ نمائندگی دسیع تر ہو گیا۔ ایک اور اہم تغیر یہ ہوا کہ پارلیمنٹ کے اجلاس معینہ وقفوں سے ہونے لگے اور دورِ گزشتہ کے خلاف نشستیں کافی طویل ہونے لگیں۔ گویا ایک آئینی ادارے کی حیثیت سے مُلکی معاملات میں پارلیمنٹ کو مسلّمہ حیثیت حاصل ہو گئی۔

خودسر اسٹوارٹ ٹیوڈروں کے بعد اسٹوارٹ آئے۔ یہ بڑے خودسر تھے۔ انکا عقیدہ تھا کہ بادشاہت ہمیں خدا کی طرف سے ملی ہو اور رعایا کو کوئی حق نہیں کہ وہ ہمارے کاموں میں مداخلت کرے، خواہ ہم کتنے ہی مطلق العنان بنکر راج کریں۔ یہ استبداد پرور سامراجی فلسفہ بدلے ہوئے حالات کے سامنے نہ چل سکا۔ اوّل تو پارلیمنٹ بہت قوی ہو چکی تھی۔ دوسرے ملک ذہنی طور پر بیدار تھا۔ لوگ یقین کرنے لگے تھے کہ اپنے ملک کی حکومت چلانے کا حق ہمیں کو پہنچتا ہو اور قانون ہماری مرضی کے خلاف نہیں بننا چاہیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ اور رعایا میں جنگ ہوئی اور جیمز اوّل کو تخت و تاج کے ساتھ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔ مئی ۱۶۴۹ء میں بادشاہت اور اُمرا کے عزل کے بعد پارلیمنٹ نے ایک اعلان کے ذریعہ انگلستان میں شورائیہ (Republic) قائم کردی۔ شورائیہ کے دورِ حکومت میں اس موضوع کی متعدد تجاویز پیش ہوئیں کہ نمائندہ پارلیمنٹ بنائی جائے جس کا انتخاب عام حق رائے دہی سے ہو، مگر مدبروں اور عوام دونوں

نے اس بات پر صاد نہیں کیا۔ ۱۶۵۳ء میں ایک دستور اساسی ترتیب دیا گیا۔ یہ انگلستان کی تاریخ میں پہلا تحریری دستور تھا جس کی رُو سے تاحیات ایک نگراں (Protector) مقرر ہوا۔ اور اسکی امداد کیلئے تیرہ سے لیکر اکیس ممبروں تک کی ایک کونسل بنی۔ ایک ایوان کی پارلیمنٹ تشکیل دی گئی۔ اس میں چار سو ساٹھ ممبر آئے۔ پارلیمنٹ کے انتخاب میں صرف وہ افراد رائے دینے کے مستحق قرار دئے گئے جن کی املاک کم از کم تین سو پونڈ کی ملکیت کی تھی۔ کرامویل نگراں کے عہدے پر فائز ہوا اور آئندہ چھ برس تک اسکی حکومت رہی۔

کرامویل اور پارلیمنٹ میں اکثر لڑائی رہا کرتی تھی ۱۶۵۷ء میں اُسے تاج شاہی پیش کیا گیا۔ اس نے بادشاہ بننے سے تو انکار کر دیا۔ مگر دو ایوانی پارلیمنٹ کی تشکیل منظور کر لی۔ شورائیت (Republicanism) کا دَور کرامویل کے بعد ختم ہو گیا۔ کیونکہ انگریز قوم بادشاہوں کی طرف سے ستائے جانے کے باوجود بھی دل سے بادشاہیت پرست تھی۔ اور ماہ مئی ۱۶۶۰ء میں اسٹوارٹ خاندان کا چارلز دوم جس نے پارلیمنٹ کی آزادی برقرار رکھنے کا وعدہ کیا تخت پر بٹھا دیا گیا۔ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان اختیاراتِ حکمرانی کے سلسلہ میں جو طویل کش مکش ہوتی چلی آتی تھی یہ اس کا آخری منظر تھا۔ اس کش مکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ، بادشاہ رہا مگر بادشاہت کے اختیارات پارلیمنٹ نے اپنے ہاتھوں میں رکھے۔ چارلز دوم نے معینہ آئینی حدود سے باہر جانیکی کبھی کوشش نہیں کی مگر اس کا بھائی اور جانشین اور اسٹوارٹوں کی طرح خودسر تھا۔ اس نے چاہا کہ رومن کیتھولک عقائد کو ملک میں از سرِ نو تازہ کر کے کیتھولک فرقے کی مدد سے ملکی سیاسیات پر تسلط حاصل کر لوں اور پارلیمنٹ سے بالا بالا راج کروں۔

پُرامن انقلاب اس سے ۱۶۸۸ء میں پُرامن انقلاب ہوا۔ جیمز بھاگ کر فرانس

چلا گیا۔ پہلے تو اس کے داماد ولیم آورنج کو عارضی طور پر بادشاہ بنا لیا گیا، پھر ماہ جنوری ۱۶۸۹ء میں ایک موتمر (Convention) نے جیمز کے عزل اور ولیم اور اس کی شریکِ زندگی میری کی مشترکہ بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ دستوری حقوق معرضِ تحریر میں لائے گئے اور بادشاہ نے مسودۂ حقوق (Bill of Rights) منظور کر لیا۔ یہ مسودۂ حقوق دستورِ اساسی نہیں تھا بلکہ ان میں صرف بادشاہ کے اُن اختیارات کو کم کرنے پر زور دیا گیا تھا جو پارلیمنٹ اپنے لئے محفوظ رکھنے چاہتی تھی۔ جیسے محصول عائد کرنا، فوج رکھنا، قانون بنانا۔ اور چند ایسے حقوق کی تفویض کا بادشاہ سے اقرار چاہا گیا تھا جنھیں گزشتہ خود سر بادشاہوں نے پامال کرنیکی کوشش کی تھی جیسے قانون بنوانے کیلئے درخواست پیش کرنیکا حق، انتخابات میں رائے کا آزادانہ استعمال، ممبروں کو آزادیٔ تقریر وغیرہ۔

سترہویں صدی کے بعد جہاں تک خصوصیات اور ڈھانچے کا تعلق ہے سترہویں صدی کے اواخر تک برطانوی نظامِ حکومت مکمل ہو گیا تھا۔ اجزائے نظامِ حکومت جیسے محدود بادشاہت، ذمہ دار وزارت، دو ایوانی پارلیمنٹ، نیز حکومت کے بنیادی اصول اسی زمانہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے متعین ہو گئے تھے، مگر اس نظام کو نئی نئی سمتوں میں وسعت دینے اور اس میں گوناگوں تبدیلیاں کرنیکا کام گزشتہ دو سو برس میں یعنی سترہویں صدی کے بعد ہی ہوا ہے۔ ولیم سوم اور اس کی جانشین، ملکہ این نے برابر بادشاہت کا وقار قائم رکھنے کی کوشش کی۔ مگر ۱۷۱۴ء میں ہنوور خاندان کے سر پر آرائے سلطنت ہونے کے بعد بادشاہ کے اختیارات اور اس کے حقوق میں حقیقی معنوں میں کمی آگئی۔ وجہ یہ تھی کہ اس خاندان کے پہلے دو جارج غیر ملکی ہونے کے سبب سے انگریزی روایات، زبان اور سیاسیات سے ناواقف تھے۔ انھوں نے اپنے

واجبی شاہانہ حقوق اور اختیارات پر بھی کوئی اصرار نہیں کیا۔ جارج سوم نے بحیثیت شاہ انگلستان اپنی قوت میں اضافہ کرنیکی سعی کی مگر ۱۷۸۲ء کے بعد سے بادشاہ کی قوت اور اس کے اقتدار میں پھر زوال آنا شروع ہو گیا۔ اور اب بادشاہت صرف ایک قانونی ادارے کی حیثیت سے انگریز قوم کے نزدیک قابل احترام ہے ورنہ فی الاصل اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں۔

دارالعوام کا عروج

سترہویں صدی کے بعد جو تبدیلیاں ہوئیں ان میں سے ایک اہم تبدیلی یہ ہے کہ دارالامرا کی بجائے دارالعوام برطانوی سیاسیات کا مرکزِ ثقل بن گیا۔ اس کی دو وجوہ تھیں، ایک تو پارلیمنٹ کی عمر بڑھا کر تین سے سات برس کر دی گئی تھی، دوسرے عوام کو مالیات پر قابو حاصل ہو گیا تھا۔ عروج یافتہ پارلیمنٹ نے نظامِ حکومت میں جمہوری روح پیدا کرنے کے لیے رائے دہی کے حق کو زیادہ عام اور اس طرح نمائندگی کو وسیع تر بنا دیا گزشتہ دو سو برس کا دور اس لئے بھی اہم ہے کہ اس میں کابینہ کو عروج ہوا۔ یوں تو چارلز دوم کے زمانہ میں بھی پریوی کونسل کے چیدہ افراد کی کونسل بادشاہ کو مشورے دیا کرتی تھی مگر کابینہ کو نظامِ حکومت میں جو اہمیت آج حاصل ہے اس کی تعمیر ۱۶۶۰ء کے بعد ہی سے شروع ہوئی۔ اس وقت سے پہلے ان افراد کی انتخاب میں جنھیں بادشاہ مشیروں کے زمرہ میں شامل کرتا تھا، پارلیمنٹ کی مرضی کو کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ اور اس لحاظ سے یہ پارلیمنٹ یا قوم کے نہیں بلکہ بادشاہ ہی کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔ ولیم سوم کے زمانہ میں بھی اس صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جارج اول اور دوم کے زمانہ میں چونکہ بادشاہ نے امورِ حکومت میں زیادہ حصہ نہیں لیا اس لئے کابینہ خوب مستحکم ہو گیا۔ اور اٹھارہویں صدی میں اس کا تصور کامل پختگی حاصل کر گیا۔

باب ۲

تاج وزرا اور کابینہ

دستور اساسی کے تین ستون

دستور دو قسم کے ہوتے ہیں۔ مدوّن اور غیر مدوّن۔ مدوّن دستور تحریری دستور بھی کہلاتے ہیں۔ ان میں نظامِ حکومت، اختیاراتِ حکومت اور حقوق باشندگان کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ امریکہ کا دستور اساسی مدوّن ہے۔ اسے ۱۷۸۷ء میں فلیڈیلفیا کے مقام پر آئین سازوں کی ایک جماعت نے وضع کیا تھا۔ برخلاف اس کے برطانیہ کا دستور اساسی غیر مدوّن یا غیر تحریری یا ان لکھا ہے۔ اس میں قوانین اور روایات دونوں شامل ہیں۔ تین دستوری ادارے۔ بادشاہت، وزارت اور کابینہ، اس دستور اساسی کے تین زبردست ستون ہیں۔

بادشاہ کی حیثیت

بادشاہ کی اصولی اور عملی حیثیت میں بڑا فرق ہے۔ اصولاً وہ تمام مملکت کا سر عسکر ہے، تمام حکومت اور اراضی کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ سر چشمۂ عدل و انصاف ہے، منبع آئین و قوانین ہے، کلیسا کا محافظ ہے، بحری و برّی افواج کا کمانڈر انچیف ہے۔ قیامِ امن کا ذمّہ دار ہے، اور پارلیمنٹ کا وجود صرف اس کی مرضی کا مرہونِ منّت ہے۔ مگر عملاً نہ تو وہ سر عسکر حکومت ہے، نہ پارلیمنٹ سے اس کا کوئی تعلق ہے، نہ فوج اور کلیسا پر اسے کوئی اختیار ہے، نہ وہ قوانین وضع کرتا ہے اور نہ محصول عائد کرنے میں اس کا کوئی ہاتھ ہوتا ہے۔ "تاج" کو یقیناً بڑی اہمیت حاصل ہے مگر شخصی طور پر "بادشاہ" بالکل غیر اہم ہے۔ دور سے دیکھو تو یہ نظر آتا ہے کہ انگریز بادشاہ ایک عالی شان محل پر

سکونت رکھتا ہے، سوسائٹی کے مختلف طبقوں میں ہر دلعزیز ہے اور قومی و مجلسی تقریبوں کے موقعوں پر وہ دلچسپی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ تقررات، انتظامی معاملاتِ سلطنت، فوج، قانون سازی اور مالیات پر بھی اس کا اختیار چلتا دکھائی دیتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مجلسی معاملات میں بے اندازہ اثر و رسوخ کا مالک ہوتے ہوئے بھی بادشاہ پبلک معاملات میں کوئی دخل نہیں رکھتا۔ وہ بادشاہ تو ہے، حکمراں نہیں[1] ہے۔

تاہم بادشاہ کو بالکل غیر اہم بھی نہیں سمجھنا چاہیئے۔ پروفیسر بیجہاٹ کے الفاظ میں بادشاہ کے تین خصوصی حقوق ہیں۔ اس سے تمام امور میں مشورہ لیا جاتا ہے، وہ لوگوں کی ہمت افزائی کر سکتا ہے اور اسے تنبیہ کرنیکا حق ہے۔ بالعموم بادشاہ کا مشورہ بہت صحیح اور بیش قیمت ہوتا ہے۔ رابرٹ لکھتا ہے کہ تقریباً دس سال عہدۂ بادشاہت پر فائز رہنے کے بعد بادشاہ نظامِ حکومت کے متعلق ملک بھر میں سب سے زیادہ واقفیت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ وہ اس تمام عرصہ میں غیر متعصبانہ طور سے آئینی تغیرات کا مطالعہ کرتا رہتا ہے۔ اور ملکی سیاسیات کے بنیادی اصولوں پر عبور حاصل کر لیتا ہے۔ برطانیہ جیسی وسیع سلطنت میں بادشاہ کی شخصیت مختلف ممالک میں، جو دولت متحدہ کے عناصر ہیں رشتۂ اتحاد قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ بھی ہے، پھر شاہی خاندان کا اخلاقی اثر تمدن کے مختلف شعبوں پر بھی پڑتا ہے اور سوسائٹی کا ارتقا اس سے اثرات لیتا ہے۔ اس کے علاوہ امور خارجہ میں بادشاہ کی شخصیت کے ہمہ گیر اثر سے بعض اوقات سیاسی گتھیاں بآسانی سلجھ جاتی ہیں۔

تخت نشینی | تخت نشینی قانونِ بندوبست (Act of Settlement)

[1] "He reigns but does not govern."

بابتہ ۱۷۰۱ء کی رُو سے عمل میں آتی ہی۔ مگر پارلیمنٹ کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر چاہے تو تاج کو ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کردے۔ بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا جو شہزادۂ ویلز (Prince of Wales) کہلاتا ہی حسب قاعدہ بادشاہ کے بعد تخت پر بیٹھتا ہے۔ مذہباً بادشاہ کلیسائے انگلستان کا پیرو ہوتا ہی۔ وہ کیتھولک نہیں ہو سکتا اور نہ کیتھولک عورت سے شادی کرسکتا ہی۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر اٹھارہ برس کی ہونی چاہیئے۔ اگر کم ہو تو ریجنسی بھی قائم ہوتی ہے۔ ریجنٹ کے تقرر کا اختیارِ مطلق پارلیمنٹ کو ہی۔

مراعاتِ شاہی

انگلستان کے بادشاہ کو متعدد ذاتی مراعات حاصل ہیں۔ اپنے نجی اعمال وافعال کے لئے وہ کسی عدالت میں برائے جوابدہی طلب نہیں کیا جاسکتا اور نہ اُس کے خلاف قانونی چارہ جوئی ممکن ہے۔ اُسے گرفتار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک ایک محل بادشاہ کی اقامت گاہ بنا رہے اس میں بادشاہ کے خلاف قانونی چارہ جوئی عمل میں نہیں لائی جاسکتی۔ پہلے بادشاہ ذاتی املاک رکھ سکتا تھا مگر اب وہ املاک پارلیمنٹ کے زیرِ انتظام رہتی ہے۔ اور شاہی خاندان کو گذارے کیلئے ایک معیّنہ رقم سالانہ مل جاتی ہی۔

تاج اور وُزرا

"تاج" کے اختیارات بادشاہ اپنے وزرا کے ذریعہ سے استعمال کرتا ہی۔ یہ وزرا صرف اصولی حیثیت سے بادشاہ کے پسند کردہ ہوتی ہیں۔ ورنہ حقیقت میں نہ تو ان کے انتخاب میں اس کا کوئی ہاتھ ہوتا ہے اور نہ وہ ان پر کوئی اقتدار رکھتا ہی۔ وزارت اس اعتبار سے اصلی عاملہ ادارۂ حکمرانی ہی۔ اسمیں تمام محکموں کے افسرانِ اعلیٰ، مختلف بورڈوں کے چند یا تمام ممبر، بعض پارٹیوں کے وھپ (Whips)، اور شاہی خاندان کے چند افراد وغیرہ شامل ہوتے ہیں جن کا عہدہ دار نہ وجود وزارت کے سرِ عسکر یعنی وزیرِ اعظم کی پسند کا رہین احسان ہی۔

کابینہ کیبنٹ کے لفظی معنی اندرونی کمرے کے ہیں۔ یہ نام اس لئے پڑا کہ بادشاہ پریوی کونسل کے رازدار ممبروں سے، جنھیں بحیثیت جماعت کابینہ کہا جانے لگا، اپنے قصر کے اندرونی کمرے میں ملکی مسائل پر تبادلۂ خیالات کیا کرتا تھا۔ پندرھویں صدی عیسوی کے بعد سے پریوی کونسل بحیثیت مشیر کار بادشاہ کو مشورے دیا کرتی تھی۔ اور انتظام سلطنت میں بھی کسی حد تک اسکی معاونت کرتی تھی۔ مگر چونکہ پریوی کونسل کے ممبروں کی تعداد اس قدر کثیر ہوا کرتی تھی کہ بادشاہ ان سب کو معاملاتِ سلطنت میں اپنا رازدار نہیں بنا سکتا تھا؛ اس لئے بادشاہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس وسیع جماعت کے چند ممبروں کو اپنا معتمد اور رازدار بنالیا۔ اور باقی کو حسب مراتب مختلف کام سونپ دیئے۔ مخصوص ممبروں کی اس جماعت کو کابینہ کہا جانے لگا۔ آج بھی کابینہ کے وزرا قانوناً پریوی کونسلر ہی ہوتے ہیں۔ مگر جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے پریوی کونسل کا وجود صرف اصطلاحی ہے۔ صرف سرکاری تقاریب (جیسے تاجپوشی وغیرہ) کے موقعوں پر اس کا اجتماع ہوتا ہے۔ عام طور پر وہ ضرورتیں جن کے لئے پریوی کونسل کے اجتماع کی ضرورت پڑسکتی ہے کابینہ ہی سے پوری ہوجاتی ہیں۔ کابینہ میں وزراء کا اندرونی حلقہ ہوتا ہے یہ لوگ حکومت کی باگیں اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔ مگر یہ بات تعجب سے سُنی جائیگی کہ قانوناً کابینہ کا کوئی وجود نہیں جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کابینہ کے وزیر پریوی کونسلر ہونے کی حیثیت سے یہ کام کرسکتے ہیں۔

کابینہ کی تشکیل کابینہ کی تشکیل میں کچھ تو رواج کو دخل ہوتا ہے کچھ وقتی رجحانات کو۔ بعض وزرا جیسے لارڈ چانسلر، وزیر خزانہ وغیرہ تو ضرور ہی کابینہ میں لئے جاتے ہیں۔ باقی وزرا کے تقرر کا معاملہ وزیراعظم پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ مناسب وجوہ کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں عہدے کے لئے فلاں

KASHMIR UNIVERSITY

شخص کو لیا جائے۔ جب کوئی نیا کابینہ بنتا ہی تو سب سے پہلے وزیر اعظم نامزد ہوتا ہی یہ نامزدگی اصولاً بادشاہ کی مرضی پر منحصر ہوتی ہے۔ مگر عملاً حالات بادشاہ کی مرضی کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ سابق کابینہ ٹوٹ جانے پر بادشاہ فوراً اس شخص کو طلب کرتا ہی جو دارالعوام کی اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت کا رہبر ہوتا ہے اور اسے ترتیب وزارت کی دعوت دیتا ہی۔ اگر سابق کابینہ کسی پارٹی کی اکثریت کھودینے سے ٹوٹا ہی تو ظاہر ہے کہ اسکی مخالف پارٹی کا لیڈر ہی کابینہ ترتیب دے سکتا ہی۔ برخلاف اس کے اگر برسرِ اقتدار پارٹی ہی میں اندرخانہ کچھ تبدیلیاں ہوجائیں تو وزارت عظمیٰ کا اعزاز سابق وزیر اعظم کے کسی شریکِ کار کو ملتا ہی۔ نامزد ہو چکنے کے بعد وزیر اعظم اپنی جماعت کے زعماء کے مشورہ سے اپنے شرکائے کار کو پسند کرتا ہی اور ان کی ایک فہرست بادشاہ کے سامنے پیش کردیتا ہی۔ بادشاہ قانونی طور پر منظوری دیدیتا ہی۔ جس کے بعد وزیروں کے نام لندن گزٹ میں شائع ہو جاتے ہیں۔ عموماً وزیروں کے انتخاب میں دو اصول زیرِ عمل رہتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ کابینہ کے ممبر کسی نہ کسی ایوان کے ممبر ضرور ہوں، دوسرے وہ وزیر اعظم کی پارٹی سے ضرور تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرا اصول کابینہ کے استحکام کے لئے بہت ضروری ہی۔ چونکہ وزیر اعظم کی پارٹی دارالعوام میں اکثریت رکھتی ہی اس لیئے اس پارٹی کے ممبران سے تشکیل پایا ہوا کابینہ پارلیمنٹ کا معتمد ہوتا ہے۔ اور دارالعوام اور نظامِ حکومت کے مابین "ذریعہ اتحاد" بھی بن جاتا ہی برسر اقتدار جماعت کے ممبروں کے کابینہ کا ایک اور فائدہ یہ ہی کہ کابینہ کے سب ممبر ہر معاملہ میں ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ یہ ہم آہنگی سبب بن جاتی ہی نظام کی یکجہتی اور مشترک ذمہ داری کا۔ اشتراکِ عمل کابینہ کی بنیادی ضرورت ہی۔ کابینہ کا ہر ممبر اپنے دوسرے شرکائے کار سے متفق ہوتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اُسے

کابینہ سے مستعفی ہونا پڑتا ہے۔

وزیروں کی ذمہ داری

کابینہ کا ہر وزیر انفرادی طور پر پارلیمنٹ یا دوسرے لفظوں میں دارالعوام کے سامنے بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر ایوان اس کے خلاف ملامت کا ووٹ پاس کردے تو وہ کابینہ سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ ایسی صورتوں میں اس کے شرکائے کار یا تو اس سے استعفیٰ دلوا دیتے ہیں یا اس کی روش کی تائید کرتے ہیں عام اس سے کہ نتائج کچھ بھی ہوں۔ اس سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ کابینہ کی ذمہ داری مشترک ہے۔

چونکہ کابینہ دارالعوام کے سامنے اپنے اعمال و افعال کا جوابدہ ہے اس لئے جب دارالعوام کا اس پر اعتماد نہیں رہتا وہ فوراً مستعفی ہوجاتا ہے۔ عدم اعتماد کے اظہار کی کئی صورتیں ہیں۔ یا تو بغیر کوئی وجہ بتائے دارالعوام عدم اعتماد کی تجویز منظور کر دیتا ہے۔ یا کابینہ کے کسی خاص فعل پر نکتہ چینی کی جاتی ہے اور عدم اعتماد کی تجویز منظور ہوجاتی ہے۔ یا کسی ایسے مسودے کو جس کی کابینہ نے وکالت کی ہو، ایوان ٹھکرا دیتا ہے۔ یا وزرا کے مشورے کے خلاف کوئی قانون منظور کر لیتا ہے۔ کابینہ اس کے بعد یا تو استعفیٰ دیدیتا ہے یا ملک سے اپیل کرتا ہے۔ ملک سے اپیل کرنے کی صورت میں کابینہ مستعفی نہیں ہوتا۔ اگر ملک نے اس کی اپیل کا جواب خاطر خواہ دیا یعنی عام انتخاب میں ایسے ممبروں کی اکثریت کو منتخب کیا جو کابینہ کے حامی ہیں تو کابینہ میں حیاتِ تازہ آجاتی ہے۔ ورنہ سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ کابینہ مستعفی ہوجائے۔

وزیر اعظم کی پوزیشن

کابینہ کی کارروائیاں عمداً صیغۂ راز میں رکھی جاتی ہیں۔ ذمہ دارانہ طور پر متحد اور مقتدر محاذ پیش کرنے کی یہ پہلی ترکیب ہے۔ کابینہ کے اجلاسوں کے لئے کوئی مقام مقرر نہیں ہوتا اور نہ

ظاہر ہونے دیا جاتا ہے کہ کیا کارروائی عمل میں آئی۔ دوسری ترکیب یہ ہی کہ وزیر اعظم کو کابینہ کا مُسلّمہ رہبر مانا جاتا ہی۔ گو اصولاً وزیر اعظم اسی سطح پر ہوتا ہی جو باعتبار مرتبہ دیگر وزرا کی ہی۔ لیکن پھر بھی کئی اعتبار سے اس کی آئینی حیثیت بہت نمایاں ہے۔ چونکہ وہ برسر اقتدار جماعت کا لیڈر رہتا ہے اور تمام وزرا کا انتخاب بھی وہی کرتا ہے اس لیے متعدد معاملات میں اس کی حیثیت ایک حاکمِ مطلق کی سی ہوتی ہی۔ جب تک پارلیمنٹ کا اس پر اعتماد رہتا ہے بعض اہم تر معاملات وہ خود اپنی رائے سے طے کرتا رہتا ہے (گو بعد کو وہ معاملات کابینہ یا پارلیمنٹ کے سامنے بھی رکھے جاتے ہیں) علاوہ ازیں وزیر اعظم کابینہ کی صدارت کرتا ہے۔ اپنے شرکا کو مشورے دیتا ہی اور انھیں مشورے قبول کرنے پر مجبور بھی کرتا ہے۔ وزیر اعظم ایک طرف کابینہ اور تاج اور دوسری طرف کابینہ اور پارلیمنٹ کے درمیان ایک کڑی بھی ہے۔ بادشاہ کو وہ وزارت کے کاموں سے باخبر رکھتا ہے، پارلیمنٹ میں وہ حکومت کی پالیسی کی وضاحت میں بیانات دیتا ہے۔

کابینہ کی اہمیت

بادشاہ اور کابینے کے تعلق کے سلسلے میں سب سے پہلی بات قابلِ لحاظ یہ ہے کہ گو تمام کام بادشاہ کے نام سے ہوتے ہیں مگر بادشاہ کسی کام کا ذمّہ دار نہیں ہوتا۔ اسی لئے یہ مشہور ہی کہ بادشاہ غلطی نہیں کرسکتا۔ بادشاہ کے کرنیکا ہر کام وزیر کرتے ہیں اور انہی سے عوام ہر کام کا مواخذہ کرسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جب بادشاہ کابینے کے مشوروں تک میں شریک نہیں ہوتا تو اسے کسی کام کا ذمّہ دار بنانا بھی اصولاً غلط ہوگا۔ اسی لئے کابینہ یا وزرا کسی معاملہ کو بادشاہ سے منسوب نہیں کرتے اور نہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں معاملے میں بادشاہ کا منشا یا اس کی خواہش کیا ہی۔ پہلے وزرا بادشاہ کو مشورے دیا کرتے تھے اور بادشاہ فیصلے کرتا تھا۔ کاغذی اعتبار سے تو اب

بھی یہی ہوتا ہے مگر اب عملاً فیصلے وزیر ہی کرتے ہیں۔

غرض کابینہ انگلستان کے آئین کے اہم ترین اجزاء میں سے ہی جس کے شانوں پر تمام نظامِ حکومت کا ذمہ داری ہے اور جس کے ایما سے قوانین وضع ہوتے ہیں۔ بادشاہ کی تقریر بھی جو پارلیمنٹ میں ہوتی ہے، کابینہ ہی کی تیار کی ہوئی ہوتی ہی۔ ہرچند کابینہ پارلیمنٹ ہی کا مقرر کردہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے اختیارات کی وسعت کا یہ عالم ہی کہ چاہے تو پارلیمنٹ کو بھی منسوخ کردے۔ پارلیمنٹ کو اس کا حق نہیں کہ وہ کابینہ کی کارروائیوں پر عبور رکھنے میں کوشاں ہو۔ سیچ مچ وزرا کے لئے یہ ممنوع ہے کہ وہ کابینہ کی کارروائیوں کو بادشاہ کی اجازت یا حکم کے بغیر پارلیمنٹ میں ظاہر کردیں۔ ہاں پارلیمنٹ کو یہ اختیار ضرور ہے کہ اگر عام مفاد کیخلاف نہ ہو تو کابینہ کے فیصلوں سے باخبر رکھے جانے کی خواہش کرے مگر پارلیمنٹ کے سامنے جو ملکی پالیسی پیش کی جاتی ہے اس کی تشکیل کابینہ ہی کرتا ہے۔

کابینہ کا اجلاس جب کوئی ایسی نزاکت حالات رونما ہو جاتی ہے جس کا ملکی یا بین الاقوامی معاملات سے گہرا تعلق ہوتا ہے تو کابینہ کے وزرا کو وزیر اعظم برطانیہ کی سرکاری رہائش گاہ نمبر ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ میں سرکاری طور پر فوراً طلب کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ، وہاں جمع ہو کر صورت حالات پر غور کرتی ہیں اور یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ برطانیہ کو کیا قدم اٹھانا چاہیئے۔ ان کے اس وقت کے فیصلوں پر دولتِ برطانیہ کے بُرے بھلے کا انحصار ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے کم سے کم اس وقت تو کابینہ کے وزیر ہی اس عظیم الشان سلطنت کے مالک ہوتے ہیں جسکی حکومت کرۂ ارض کے ایک چوتھائی حصے پر ہی۔

عام طور پر جب کابینہ کا اجلاس طلب کرنا ہوتا ہی تو وزیر اعظم کی طرف سے

ایک مختصر رسمی دعوت نامہ "بنام معتمد ملازمان ملک معظم" بھیجا جاتا ہے اس میں وزرا کو نمبر ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ یا کسی اور مقام پر بلایا جاتا ہے۔ دعوت نامہ بھیجنے کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وزرا کو بذریعہ تار دعوت دی جاتی ہے یا شاہی ہوائی بیڑے کے "شاہی پیغامبر" وزرا کے قصباتی گھروں، یا تفریحی مقامات وغیرہ پر جہاں وزرا مل سکیں، دعوت نامہ پہنچاتے ہیں۔ مگر عام طور پر انہیں معمولی خط، یا ٹیلیفون سے کابینہ کے جلسے کی اطلاع دیدی جاتی ہے۔

انگلستان کی تاریخ میں کابینوں کے اکثر ہنگامہ خیز اجلاس اتوار کے دن ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب کو بہت رات گئے منعقد ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہفتہ کی شام کو سٹاک ایکسچینج وغیرہ بند ہوتے ہیں اور نزاکت حالات سے عوام کے دماغوں پر جو ہیبت طاری ہوتی ہے یا اقتصادیات پر جو بُرا اثر پڑتا ہے اس کے ازالہ کیلئے عوام کو اتوار کا پورا ایک دن مل جاتا ہے۔

انگلستان کی تاریخ کے صفحات یہ بھی بتاتے ہیں کہ اکثر اوقات کابینہ کے اجلاس کی اطلاع وزرا کو ایسی حالت میں ملی ہے جب وہ سونے کی پوشاک پہن کر بستر پر دراز ہونے جا رہے تھے۔ اور انھیں اسی پوشاک میں نمبر ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ میں کھینچ بلایا گیا ہے۔ مثلاً ۱۹۲۰ء میں "کالا جمعہ" کی نزاکت حالات کے موقع پر جب جرمنی میں سیاسی حالات قابو سے باہر ہو گئے تھے، لائڈ جارج ڈریسنگ گاؤن اور شب خوابی کا پاجامہ پہنے ہوئے کابینہ کے جلسے میں شرکت کرنے کے لئے آئے۔ ان کے سر کے بال گڈ مڈ تھے اور آنکھوں میں چیپڑ موجود تھے۔ وجہ یہ تھی کہ انھیں سوتے سے اٹھا کر کابینہ کی صدارت کرنے کے لئے لایا گیا تھا۔ انگلستان کے اس وقت کے ایک اور مدبر مسٹر بونر لا بھی کابینہ کے اس جلسے میں شریک تھے ویسے تو وہ بڑے قاعدے قانون کے پابند تھے۔ مگر اس وقت ان کی یہ حالت تھی کہ

گلے میں کالر تک نہ تھا۔ اسی طرح دوسرے مدبرین بھی عجیب عجیب ہئیت کذائی سے آئے تھے۔

کابینہ کے یہ جلسے بہت خاموشی کے ساتھ کئے جاتے ہیں اور ان میں وزرا کے علاوہ اور کسی شخص کو شامل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی تو وزراء کی نگرانی کیلئے ان پر خفیہ کے آدمی بھی تعینات کردئے جاتے ہیں۔ نمبر ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ میں متعدد چور دروازے ہوتے ہیں۔ ان سے وزرا چھپے چھپے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ نمبر ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ چالیس یا اس سے کچھ زیادہ کمروں کی ایک عمارت ہے جو بے شمار زینوں اور راستوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ نمبر ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ اچھی خاصی بھول بھلیاں ہے۔ سوائے ان مستقل نوکروں کے جو عمارت سے اچھی طرح واقف ہوگئے ہیں اور کوئی اس بھول بھلیاں کا راستہ نہیں جانتا۔ یورپ والے کہا کرتے ہیں کہ برطانوی وزیر اعظم کا سرکاری مکان برطانیہ کی پالیسی کی طرح پیچیدا ہے۔

اسی عمارت کا ایک کمرہ "کابینہ کا کمرہ" کہلاتا ہے۔ یہ کابینہ کے اجلاسوں کیلئے وقف ہے۔ اس کمرے کے دوہرے دروازے ہیں۔ اور دیواریں ایسی بنائی گئی ہیں کہ کمرے کے اندر سے آواز باہر نہیں جا سکتی۔ کابینہ کے سکریٹری کے علاوہ کابینہ کے باہر کا کوئی آدمی حتکہ شاہ انگلستان تک بھی اجلاس میں شرکت نہیں کرسکتا۔ جنگ عظیم سے پہلے یہ دستور تھا کہ کابینہ کی کارروائی کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا اور وزراء کیلئے کابینہ کی کارروائی کی ڈائری تک رکھنا ممنوع تھا۔ اندیشہ یہ کیا جاتا تھا کہ ڈائری رکھنے کی صورت میں اس بات کا امکان ہے کہ وہ کسی خطرناک آدمی کے ہاتھ لگ جائے اور حکومت کے سربستہ راز افشا ہو جائیں۔ مگر جنگ عظیم کے نازک ترین دور میں کابینہ کے سکریٹری کو جلسے کی

کارروائی قلمبند کرنیکا حکم دیا گیا اور اس وقت سے یہ دستور سا ہو گیا ہے کہ کابینہ کا سکریٹری اجلاس میں موجود رہتا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اسے لکھتا جاتا ہے۔ کارروائی کے ریکارڈ کو بالکل خفیہ رکھا جاتا ہے اور بعد میں صرف وزرا ہی کی اس تک رسائی ہو سکتی ہے۔

"کابینہ کا کمرہ" پچاس فیٹ لمبا ہے۔ اس میں ایک لمبی میز بچھی ہوئی ہے جس کے گرد وزراء بیٹھتے ہیں۔ وزیر اعظم یا اس کا نائب صدر ہوتا ہے۔ وزرا کسی خاص ترتیب سے کمرے میں داخل نہیں ہوتے اور نہ ان کی نشستوں کا کوئی تعین ہے اگر اجلاس میں کئی امور پر بحث ہونی ہو تو ایجنڈا میز پر موجود رہتا ہے اور اجلاس شروع ہونے سے پہلے وزرا اُسے پڑھ لیتے ہیں۔ جب سب آ چکتے ہیں تو کمرے کے دوہرے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور وزیر اعظم اپنا افتتاحی بیان دیتا ہے۔ اگر معاملے کا تعلق خارجہ سیاسیات سے ہو تو وزیر اعظم کے بعد وزیر خارجہ تقریر کرتا ہے یا وہ وزیر حالات بیان کرتا ہے جس کے شعبہ سے معاملہ زیر بحث تعلق رکھتا ہے۔

کمرے میں سامان اس قدر کم ہوتا ہے کہ ایک اجنبی آدمی کمرے کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہاں ایسے فیصلے ہوتے ہیں جن پر دولت برطانیہ کے بُرے بھلے کا انحصار ہوتا ہے۔ کمرے میں ایک میز پڑی رہتی ہے اور ایک درجن کے لگ بھگ کُرسیاں ہوتی ہیں۔ ایک الماری میں چند خشک موضوعات کی کتابیں دھری رہتی ہیں جنھیں کوئی نہیں پڑھتا۔

کابینے کے اجلاس کے دوران میں (خواہ اجلاس کتنی ہی زیادہ دیر تک ہوتا رہے) ریفریشمنٹ لانا ممنوع ہے۔ البتہ ایک طرف پانی کا ایک جگ ضرور دھرا رہتا ہے۔ مگر ایک سابق وزیر کے بیان کے مطابق اسے بھی کوئی استعمال

نہیں کرتا کیونکہ مصروفیت اتنی سخت ہوتی ہے کہ دماغ جسمانی ضرورتوں کے احساس سے بالا ہو جاتا ہے۔

کابینہ کے کمرے سے ملا ہوا سکرٹیریوں کا کمرہ ہوتا ہے۔ اگر دورانِ اجلاس میں کوئی ضروری مراسلہ یا ٹیلیفون آجائے تو جس سکرٹیری سے اس کام کا تعلق ہوتا ہے وہ دروازہ کھلوا کر کابینہ کے کمرے میں آتا ہے اور مراسلہ پیش کر دیتا ہے۔ ایسی حالت میں کابینہ کی کارروائی چند منٹ کے لئے ملتوی کر دی جاتی ہے۔ اور سکرٹیری کے باہر چلے جانے کے بعد دوبارہ شروع ہوتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی بتا دیا گیا ہے سرکاری طور پر کابینہ کے وزرا میں کبھی اختلاف رائے نہیں ہوتا۔ اگر اختلاف رائے ظاہر ہو جائے تو حکومت ختم ہونے کے قریب آجاتی ہے۔ مسٹر نیوائل چیمبرلین کی حکومت میں دو دفعہ کابینہ کے وزرا میں اختلاف ہوا اور دونوں دفعہ اختلاف رکھنے والے وزرا نے کابینہ سے استعفےٰ دیدیا۔ ایک بار وزیر خارجہ مسٹر اینتھونی ایڈن نے کابینہ سے اختلاف کیا اور استعفےٰ دے دیا اور دوسری دفعہ مسٹر ڈف کوپر فرسٹ لارڈ آف دی ایڈمرلٹی نے ایک معاملہ میں کابینہ سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے اپنا استعفےٰ پیش کر دیا۔

مگر استعفےٰ دینے والے وزرا کابینہ کے معاملات اور وجوہ اختلاف کی بابت پبلک میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ان کے ہونٹوں پر دستوری مہریں لگ جاتی ہیں۔

کابینہ میں رائے شماری بالکل نہیں ہوتی۔ اکثر وزرا بحث و تحیص کے بعد ہم آہنگ ہی ہو جاتے ہیں۔ اکثر نمبر ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ کے باہر اجلاس کے دوران میں عوام کی بھیڑ جمع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کو مختلف ذرائع سے یہ پتہ چل ہی جاتا ہے کہ فلاں وقت کابینہ کا اجلاس ہونیوالا ہے جس میں فلاں فلاں

اہم مسئلوں پر بحث ہو گی - اجلاس ختم ہونے کے بعد جب وزرا باہر نکلتے ہیں تو، عام اس سے کہ صورت حال کتنی ہی نازک اور مایوس کن ہو، وہ اپنے چہروں اور چال ڈھال سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اہم مسائل کا تسلّی بخش حل مل گیا ہے - مگر وہ کسی کو حتیٰ کہ اپنی بیویوں یا عزیز ترین دوستوں کو بھی یہ نہیں بتا سکتے کہ کیا فیصلہ ہوا ہے -

وزیر اعظم کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ کو کابینہ کے فیصلوں کی اطلاع دے - بعض دفعہ تو بادشاہ کو بھی سوتے سے اٹھ کر آنا پڑتا ہے اور ضروری کاغذات پر شاہی دستخط کرنے پڑتے ہیں - ماہ اگست سنہ ۱۹۱۴ء میں اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر ایسکوئتھ ایک دفعہ رات کے بارہ بجے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تاکہ یہ اطلاع دے سکیں کہ جرمنی نے ہمارے الٹیمیٹم کا جواب نہیں دیا ہے -

باب ۳

پارلیمنٹ

دارالعوام

برطانوی پارلیمنٹ نہ صرف برطانیہ کے نظامِ حکومت کا اہم ترین ادارہ ہونیکی حیثیت سے ایک امتیازی شان کی مالک ہے بلکہ اس کی ایک عجیب و غریب خصوصیت یہ بھی ہے کہ کسی جمہوری ملک کا ایوان قانون ساز قدامت کے اعتبار سے اس کا ہمسر نہیں۔ وسعت عمل کے لحاظ سے یہ بہت قوی ہے اور اختیارات کے معاملہ میں غیر محدود ہے۔ کوئی قانون ایسا نہیں ہے جو پارلیمنٹ نہ بنا سکے۔ سنہ ۱۷۰۱ء میں اس نے قانون بندوبست (Act of Settlement) کی رو سے بادشاہ کی جانشینی کا مسئلہ طے کیا اور اسی سال ایک ایسا قانون بنایا جس سے اس وقت اسکاٹ لینڈ اور سنہ ۱۸۰۱ء میں آئرلینڈ انگلستان کے اجزا بن گئے۔ اور سنہ ۱۷۱۶ء میں اس نے خود اپنے فیصلہ سے اپنی میعاد تین سے سات سال کر دی۔

پارلیمنٹ ہر قانون میں ترمیم تنسیخ بھی کر سکتی ہے۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ پارلیمنٹ نے بعض ایسے قوانین کی جو کسی وقت میں بہت اہم خیال کئے جاتے تھے بیک جنبشِ قلم سے تنسیخ کر دی۔ امریکہ میں سپریم کورٹ (Supreme Court) اسمبلی کے بنائے ہوئے قوانین کو رد کر سکتی ہے۔ لیکن برطانوی پارلیمنٹ جو قانون بنا دے اس کا توڑنے والا کوئی نہیں۔ وہ قوانین بھی جن کی رو سے محصول عائد کئے جاتے ہیں پارلیمنٹ ہی کے بنائے بنتے ہیں۔ تمام نظامِ حکومت کی نگرانی

اور تمام افسرانِ انتظامی کا انتخاب اور تقرر بھی پارلیمنٹ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ حتیٰ کہ کابینہ کے وزرا بھی اسی وقت تک برسرِ اقتدار رہتے ہیں، جب تک پارلیمنٹ کو اُن پر اعتماد رہا ہے۔ عدالتی معاملات میں پارلیمنٹ کا دارالامراسب سے بڑی عدالتِ اپیل ہے۔

پارلیمنٹ کا اہم جزو

پارلیمنٹ مشتمل ہے بادشاہ، دارالعوام اور دارالامرا پر لیکن دستوریت کے ارتقا کے ساتھ ساتھ دارالعوام کا اثر اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب صحیح معنوں میں پارلیمنٹ دارالعوام ہی کا نام ہے۔ بقول فریڈرک آسٹن ویسٹ منسٹر میں دارالعوام کا اجتماع ان افراد ملک کا اجتماع ہے جو رائے عامہ کے اصلی ترجمان ہوتے ہیں اور ملک کے قومی حکومت کو رفیع المنزلت قصر میں بمنزلہ ستونوں کے ہیں کہ انہی سے سلطنت کو استحکام ہے۔

دارالعوام کا ارتقا اور اس کی ترقی نہ صرف انگریزوں بلکہ تمام مغرب کے عروج کی تاریخ سمجھی جاتی ہے۔ یہی وہ ایوان ہے جس میں عوام کے منتخب کردہ ممبروں کو براہ راست اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اب متعدد اختیارات کابینہ کو حاصل ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی بحیثیت مجموعی وہ تمام اختیارات دارالعوام ہی کی ملکیت کیے جائیں گے۔

ہر چند دارالعوام کو جماعتِ قانون ساز اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ قانون بنانے کی طاقت وزرا کے ہاتھوں میں ہے اور دارالعوام بحث و مباحثہ کی مشین بن گیا ہے۔ لیکن لارڈ سالسبری اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ کسی قانون پر بحث کرسکنا کابینہ جیسی مختصر سی جماعت میں تو ممکن ہے، دارالعوام جیسی بڑی جماعت میں ممکن نہیں

اسی طرح گو ہر چیز پر دارالعوام کا قابو نہیں (مثلاً میزانیہ) مگر پھر بھی ایسے گلیڈ اسٹون کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ دارالعوام برطانیہ کے دستور اساسی کے ایک

آفتاب کی مانند ہے جس کے گرد نظامِ حکومت کے تمام اجرامِ فلکی گردش کرتے ہیں باعتبارِ نمائندگی بھی یہ مکمل ہو کیونکہ اس کے انتخاب کے اصول کچھ ایسے ہیں کہ ہر خیال اور ہر طبقے کا آدمی اس میں بطور نمائندہ آسکتا ہے۔ جہاں اس میں امیر خاندان کے لوگ ہیں وہیں ایسے افراد بھی ہیں جو معمولی مزدور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علمی طبقوں کی بھی اس میں کافی نمائندگی ہو جاتی ہو۔ ان اختیارات میں جو دارالعوام کیلئے مخصوص ہیں، مالی مسودات مرتب کرنا، مصارف کے لئے روپیہ منظور کرنا اور حساب کی جانچ پرتال کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

دارالعوام کے افسران اسپیکر، کلرک، سارجنٹ دارالعوام کے تین خاص افسر ہوتے ہیں۔ صدر یا اسپیکر کو دارالعوام کے ممبر منتخب کرتے ہیں اور باقی دونوں کو "تاج" مقرر کرتا ہے۔ کلرک کے وہی فرائض ہیں جو ہندوستانی اسمبلی میں اسمبلی کے سکرٹیری کے ہوتے ہیں۔ یعنی دارالعوام کی روئداد ترتیب دینا۔ اور کل عملے کی نگرانی کرنا۔ سارجنٹ صدر کو نظم قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

ان کے علاوہ تین افسر اور ہوتے ہیں۔ ایک چیئرمین، دوسرا ڈپٹی چیرمین تیسرا پادری۔ اسپیکر یا صدر کا عہدہ بہت ذمہ دارانہ ہوتا ہے۔ ابتدا میں اسپیکر صرف بادشاہ کا نائب ہوا کرتا تھا اور اس کی طرف سے دارالعوام کا انتظام کرتا تھا۔ علاوہ سو پونڈ تنخواہ کے اُسے بادشاہ کی طرف سے حُسنِ خدمت کی صلہ میں انعامات بھی ملتے ہیں۔ لیکن جارج سوئم کے زمانہ سے بادشاہ کو اس کے تقرر کے مسئلہ سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ اب اسپیکر اس پارٹی کا ہوتا ہے جو برسرِ اقتدار ہوتی ہو۔ لیکن صدر بن جانے کے بعد وہ کسی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور اس کی حیثیت ایک عادل جج کی سی ہو جاتی ہے۔ اسپیکر کا فرض

خصوصی پارلیمنٹ کے اقتدار کو قائم رکھنا ہے۔ ہر موقع پر وہ صحیح فیصلہ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مسودوں کی تصدیق بھی اُسے کرنی ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس سے اہم کام بھی لیئے جاتے ہیں۔ مثلاً جس وقت آئرلینڈ کے لیئے ہوم رول کی سلسلہ میں کانفرنس منعقد ہوئی تو مسٹر لوتھر جو دارالعوام کے صدر تھے، اس کانفرنس کے صدر بنائے گئے۔

پارلیمنٹ کے ہال میں کئی سشن ہوتے ہیں اور ہر سشن اپنی جگہ اہم ہوتا ہے کیونکہ پارلیمنٹ کا دستور اور طریق کار یہ ہے کہ اگر کوئی معاملہ ایک سشن میں طے نہ ہوسکے تو وہ بالکل کالعدم ہو جاتا ہے۔ اور دوبارہ اس کی اگر ضرورت سمجھی جاتی ہے تو پھر نئے سرے سے اٹھایا جاتا ہے۔ البتہ عدالتی کارروائی یا قانونی مواخذہ کی کارروائی ایک سشن سے دوسرے سشن بلکہ ایک پارلیمنٹ سے دوسری پارلیمنٹ تک جاری رہ سکتی ہے۔ اسی طرح غیر سرکاری مسودے بھی ایک سشن سے دوسرے سشن تک جا سکتے ہیں۔

دارالعوام کی تشکیل

دارالعوام کی ممبری کا حق ساری برٹش رعایا کو ہے خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ بشرطیکہ نابالغ نہ ہو۔ مجنوں نہ ہو، دیوالیہ نہ ہو، بغاوت یا دروغ بافی، یا دروغ حلفی میں سزایاب یا ماخوذ ہو کر ایک سال سے زیادہ کی سزا نہ پائی ہو اور کسی بے عنوانی یا بد اخلاقی کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ مرتکب جرم ممبر اپنے حلقہ سے ہمیشہ کے لیئے اور دوسرے حلقوں سے سات برس کے لیئے محروم کر دیا جاتا ہے۔ چرچ آف اسکاٹ لینڈ اور چرچ آف اسکاٹ لینڈ کے پادری اور کیتھولک فرقے کے افراد بھی ممبر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کے اُمراء بھی دارالعوام کا دروازہ بند ہے۔ البتہ آئرلینڈ کے اُمرا انگلستان سے ممبری کے لیئے اٹھ سکتے ہیں۔ مگر اس کے لیئے یہ شرط

ضروری ہے کہ وہ اس جماعتِ اُمرا کے نمائندے نہ ہوں جس کے افراد کو دارالامرا میں بیٹھنے کی اجازت ہی۔ بعض عہدیدارانِ حکومت بھی پارلیمنٹ کے ممبر نہیں ہو سکتے پہلے سرکاری ملازم ممبر ہو سکتے تھے لیکن قانونِ بندوبست سنہ ۱۶۹۰ء کی رُو سے یہ قطعی ممنوع قرار دیدیا گیا ہے۔ پہلے پارلیمنٹ کے ممبروں کو کچھ معاوضہ ملتا تھا درمیان میں یہ سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ مگر سنہ ۱۹۱۱ء سے پھر ممبروں کو چارسو پونڈ سالانہ معاوضہ ملنے لگا ہی۔

دارالعوام کے ممبروں کا طریقِ انتخاب یہ ہی کہ تقریباً ستّر ہزار کی آبادی کی ہر حلقے سے ایک فرد پارلیمنٹ کی ممبری کا امیدوار کھڑا ہوتا ہے۔ مرد رائے دہندہ کم از کم اکیس سال کا ہونا چاہیئے اور جس حلقہ میں وہ رائے دہندہ ہو اسمیں فہرست رائے دہندگان کی ترتیب سے کم از کم چھ ماہ قبل سکونت پذیر رہا ہو یا اس حلقہ میں اس نے تجارت کیلئے کوئی مکان یا دُکان لے رکھی ہو جس کے اثاثہ کی قیمت دس پونڈ سے کم نہ ہو۔ یہ اصول کہ ایک شخص ایک ہی ووٹ دے ابتک انگلستان میں قائم نہیں ہوا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص مندرجہ بالا دونوں حیثیتیں رکھتا ہو، یا اس کی ایک حیثیت گریجویٹ ہونے کی اور دوسری کسی مکان کا مالک ہونیکی ہے تو وہ دونوں حیثیتوں سے ووٹ دے سکتا ہی۔

سنہ ۱۹۳۲ء کے قانون کی رو سے عورتوں کو بھی اب وہی حق حاصل ہو گیا ہے جو مردوں کو ایک عرصہ سے حاصل ہی۔ اس سے پہلے عورتوں کو حق رائے دہندگی تیس سال کی عمر میں حاصل ہوتا تھا۔ لیکن اب اکیس برس کی عورت ووٹ دے سکتی ہے۔ عورتوں کو مردوں کے میعار پر لانیکا نتیجہ یہ نکلا کہ عورتوں کے ووٹ مردوں کے ووٹوں سے بڑھ گئے۔

دارالعوام میں کورم چالیس ممبروں کا ہے۔ اگر کورم پورا نہ ہو سکے تو دو منٹ کے

انتظار کے بعد ایوان ملتوی کردیا جاتا ہے اور پھر باقاعدہ میٹنگ ہوتی ہے جسمیں کورم کی پھر ضرورت ہوتی ہے۔

دارالعوام کی کمیٹیاں

دارالعوام چونکہ بہت بڑی جماعت ہے لہذا مختلف شعبوں کے انتظام کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ کمیٹیاں مقرر کی جائیں۔ سب سے بڑی اور سب سے مقتدر کمیٹی کابینہ ہے جو تمام نظام کا محور ہے اس کے علاوہ دارالعوام کی حسب ذیل کمیٹیاں ہوتی ہیں۔

۱۔ دارالعوام کی پوری جماعت کی کمیٹی۔ دارالعوام کا یہ ایک خاص قاعدہ ہے کہ کوئی مسودۂ قانون جب دارالعوام میں پیش ہوچکتا ہے تو اس پر ردّ و قدح کرنے کیلئے علیحدہ کوئی کمیٹی قائم کرنے کی بجائے پورا دارالعوام بطور کمیٹی کام کرتا ہے۔ اس وقت بہت مفصل بحث ہوا کرتی ہے۔

۲۔ سرکاری مسودات کی منتخبہ کمیٹی۔ ہر سشن کے آغاز میں حکومت اور مخالفین کے مشورہ کے بعد ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے۔ اس میں گیارہ ممبر ہوتے ہیں۔ ان ممبران کو ایوان مقرر کرتا ہے۔ اور کمیٹی میں حکومت کی پارٹی کے ممبران زیادہ ہوتے ہیں۔ یہی کمیٹی سلیکٹ کمیٹی، اسٹینڈنگ کمیٹی اور مقامی مسودات کی کمیٹیوں کا عام طور پر تقرر کرتی ہے (سوائے اس موقع کے جب ایوان کسی خاص صورت میں خود ان کا انتخاب کردے) سلیکٹ کمیٹی کے ممبران پندرہ ہوتے ہیں ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ مسودات قانون اور دیگر معاملات کے متعلق تحقیق کرکے رپورٹ دیں۔ یہ کمیٹیاں ضرورت کے وقت مقرر کی جاتی ہیں اور جب کام ختم ہوجاتا ہے تو خود بخود ختم ہوجاتی ہیں۔ ضرورت کے موافق ان کو اختیار ہوتا ہے کہ شہادت بہم پہنچائیں۔ اور ضروری اطلاعات حاصل کریں۔

۳۔ سشنل کمیٹی (Sessional Committee) جو کمیٹی

پورے ایک سال کے لئے بنائی جاتی ہے اسکو سشنل کمیٹی کہتے ہیں۔

۴۔ سرکاری مسودات کے لئے اسٹینڈنگ کمیٹی۔ اس قسم کی موجودہ حالت میں چھ کمیٹیاں ہیں۔ ہر ایک کے معمولاً چالیس سے ساٹھ تک ممبر ہوتے ہیں اور ان کو اختیار ہوتا ہے کہ پندرہ ممبر تک اور بڑھالیں تاکہ جن کو ضرورتاً کسی خاص مسئلہ پر غور کرنے کیلئے بلایا جاتا ہے وہ اس کے دائرہ میں آسکیں۔

۵۔ غیر سرکاری مسودات کی کمیٹی۔ یہ چار ممبران پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کو بھی وہی اختیارات ہوتے ہیں جو اور کمیٹیوں کو ہیں۔

باب ۴

پارلیمنٹ

دارالامرا

پارلیمنٹ کا ایک دوسرا جزو دارالامرا پارلیمنٹ کا دوسرا ایوان ہے جس کی ممبری کا حق موروثی ہی۔ پہلے اس میں امرا اور اہل کلیسا ہوا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اہل کلیسا کا تعلق کم ہوتا گیا اور یہ صرف امرا کا ایوان رہ گیا

موجودہ زمانہ میں دارالامرا میں ممبروں کے چھ مختلف حلقے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حقوق اور معیار وغیرہ کے لحاظ سے دوسرے سے مختلف ہی۔ پہلا حلقہ شاہی خاندان کے شہزادگان کا ہے جو سن بلوغ کو پہنچ جانے کے بعد ممبر بن سکتے ہیں۔ یہ لوگ بہت کم ایوان میں آتے ہیں۔ اس لئے ان کا کارروائی میں بہت کم حصہ ہوتا ہے۔ دوسرے گروپ میں جو اہم ترین گروپ ہی پیئرز (Peers) ہوتے ہیں۔ ان کی تین جماعتیں ہیں۔ (۱) انگلستان کے پیئرز جو اسکاٹ لینڈ کے الحاق (۱۷۰۷ء) سے پہلے پیئرز بنائے گئے تھے۔ (۲) برطانیہ عظمیٰ کے پیئرز جو ۱۷۰۷ء اور ۱۸۰۱ء کے درمیان جب آئرلینڈ کا انگلستان سے الحاق ہوا ہے پیئرز بنے اور (۳) دولتِ مشترکہ کے پیئرز۔ جن کی نشستیں موروثی ہوتی ہیں اور جن کا جانشین اکیس برس کی عمر کو پہنچتے ہی ایوان کا ممبر بن جاتا ہے مدارج کے اعتبار سے پیئرز ڈیوک، مارکوئس، ارل، وائے کاؤنٹ اور بیرن ہوتی

ہیں۔ ایک پیئرز دیوالیہ یا کسی جرم میں ماخوذ ہونیکی صورت میں تو بیشک دارالامرا میں نہیں بیٹھ سکتا مگر ویسے وہ کسی حالت میں بھی ایوان کی شرکت سے گریز نہیں کرسکتا۔ کئی بار ایسے پیئرز نے جو دارالعوام کی ہنگامہ خیز فضا میں اپنا مستقبل بنانا چاہتے تھے، اس قاعدہ کو بدلوانیکی کوشش کی مگروہ کامیاب نہ ہوسکے۔ تیسرا گروپ اسکاٹ لینڈ کے نمائندہ پیئرز کا ہے۔ یہ تعداد میں سولہ ہوتے ہیں اور اسکاٹ لینڈ کے سب پیئرز مل کر انہیں چنتے ہیں۔ چوتھے میں آئرلینڈ کے بیس نمائندہ پیئرز ہیں۔ جو آئرلینڈ کے کل پیئرز کے منتخب کردہ ہیں۔ پانچویں گروپ میں وہ بیرن ہیں جن کی نشستیں موروثی نہیں ہیں اور جن کا مصرف یہ ہے کہ قانونی معاملات کا تصفیہ کریں۔ اس صورت میں جب دارالامرا ہائی کورٹ آف اپیل کا کام کرتا ہے، انہیں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ چھٹا گروپ چھبیس اہل کلیسا کا ہے۔ ان کی نشستیں موروثی نہیں ہوتیں۔

دارالامرا کی کل نشستیں تقریباً ۷۴۲ ہیں جنکی تقسیم اس طرح پر ہے:-

شاہی خاندان کے شہزادگان ۳۰۔ آرک بشپ ۲۔ ڈیوک ۱۹۔ مارکوئس ۲۹ ارل ۱۲۲۔ بشپ ۲۴۔ بیرن ۴۷۱۔ اسکاٹ لینڈ کے نمائندہ پیرز۔ ۱۶ آئرلینڈ کے نمائندہ پیرز ۲۰۔

دارالامرا کا طریق کار

دارالامرا کے اجلاس دارالعوام کی بہ نسبت زیادہ مختصر ہوتے ہیں۔ ہفتہ میں چار مرتبہ ایوان کا اجتماع ہوتا ہے مگر چونکہ کام کم ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہی ہوتا ہے کہ جن مسودوں پر غور کیا جاتا ہے وہ آخر کار قانون کی شکل اختیار کر ہی لیں گے اس لئے اجلاس ایک ہی گھنٹے میں ختم ہوجاتا ہے۔

مگر ہمیشہ ہی ایسا نہیں ہوتا۔ بعض ضروری امور پر دیر تک بھی غور خوض

کیا جاتا ہے۔ تیس ممبروں سے کورم پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی مسودہ پر تقسیم آرا کی نوبت آئے اور یہ معلوم ہو جائے کہ ایوان میں تیس ممبران موجود نہیں ہیں تو اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اس مسودہ پر کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ بہت کم ممبر پابندی کے ساتھ حاضر اجلاس ہوتے ہیں۔ سوائے خاص خاص مواقع یا اس وقت کے جب کوئی ایسا مسودہ پیش ہو جس سے انھیں خصوصی دلچسپی ہو امرا ایوان میں آنا ضروری ہی نہیں سمجھتے۔

دارالامرا کے افسران

ایوان کی صدارت لارڈ چانسلر کرتا ہے جسے وزیراعظم کے مشورہ سے بادشاہ نامزد کرتا ہے۔ مگر لارڈ چانسلر کی صدارت برائے نام ہی ہے۔ دورانِ بحث میں نظم قائم رکھنے کا کام چانسلر نہیں بلکہ خود ممبر کرتے ہیں۔

اگر دو یا دو سے زیادہ ممبر ایوان کو مخاطب کرنے کی اجازت چاہیں تو یہ فیصلہ بھی ایوان خود ہی کرتا ہے کہ ان میں سے کس کو بولنے کی اجازت دے ممبر دورانِ تقریر میں صدر کو نہیں بلکہ امرا کو مخاطب کرتے ہیں۔ پیئر نہ ہو تو لارڈ چانسلر تقریر بھی کر سکتا ہے اور رائے بھی دے سکتا ہے۔ مگر بحیثیت صدر اس کا کاسٹنگ ووٹ (Casting Vote.) نہیں ہوتا۔ چانسلر کی عدم موجودگی میں نائب صدر اس کے فرائض انجام دیتا ہے۔

ان کے علاوہ دارالامرا کے باقی افسران کلرک۔ سرجنٹ ایٹ آرمز دی جنٹلمین اشر آف دی بلیک روڈ (The Gentleman Usher of the Black Rod) اور لارڈ چیرمین آف دی کمیٹیز ہوتے ہیں۔

دارالامرا کی اصلاح کا سوال

تقریباً ایک صدی سے دارالامرا کی اصلاح کا سوال مختلف صورتوں سے اٹھ رہا ہے۔ نکتہ چینوں کا اعتراض یہ ہے کہ ایوان کے اجلاسوں میں موروثی ممبر بہت کم شامل

ہوتے ہیں اور چونکہ وہ امور سلطنت میں بہت کم دلچسپی لیتے ہیں اس لئے بعض ضروری معاملات پر کافی اور ضروری توجہ نہیں کی جاتی۔ اصل میں دارالامرا کی مخالفت کی بنیادی وجہ یہ خیال کی جاتی ہے کہ اپنی موجودہ صورت میں یہ ایوان ایسے مفادات کا حامی ہے جو تمام قوم کے مفادات نہیں کہے جا سکتے۔

انیسویں صدی سے پہلے دارالعوام بھی امرا ہی کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھا۔ اصلاحات رائج ہونے کے بعد دارالعوام تو ان کے پنجہ سے نکل کر عوام کا نمائندہ بن گیا۔ مگر دارالامرا حسب سابق قدامت پسند رہا۔ اور آج بھی یہ امرا کے حقوق کا محافظ اور سیاسی تغیرات کا اتنا ہی مخالف ہے جتنا کبھی پہلے تھا۔ گزشتہ پچاس برس میں لارڈ جان رسل، ارل گرے، لارڈ روز بیری اور لارڈ ایجی کمبن وغیرہ نے دارالامرا کی تشکیل میں تبدیلی کے متعلق مسودے پیش کئے مگر وہ سب اپنے مقصد میں ناکام رہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء کے بعد سے دارالامرا کی اصلاح کا مسئلہ عوام کی خصوصی توجہ کا مرکز بنا۔ دارالامرا کی اس روش سے تنگ آکر کہ وہ ہر اصلاحی قانون کو رد کر دیتے ہیں اور ترقی کے راستے میں روڑا بنے ہوئے ہیں سنہ ۱۹۰۵ء میں دارالعوام نے بڑی اکثریت سے ایک تجویز منظور کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ امرا کی مخالفت کے باوجود بھی دارالعوام کو مفید قانون وضع کرنیکا حق ہونا چاہیئے۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں صورتِ حالات بہت ہی نازک ہوگئی۔ کیونکہ دارالامرا نے خلاف توقع مسودۂ مالیات نامنظور کر دیا۔ یہ اس قدیم اصول کی کھلی ہوئی تردید تھی کہ مالیات پر دارالعوام کا قابو ہے۔ اب پورے زور شور کے ساتھ یہ سوال اٹھا کہ آیا دارالامرا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ملک کی پالیسی میں دست اندازی کرے۔ اِدھر دارالعوام میں اُمرا کے اس رویہ کے خلاف تجویز منظور ہوئی اُدھر مسٹر ایسکوئتھ کی وزارت نے یہ فیصلہ کیا کہ اس مسئلہ پر ملک کی رائے معلوم کرنی

چاہیئے۔ چنانچہ پارلیمنٹ معطل اور وزارت ٹوٹ گئی۔ سنہ ۱۹۱۰ء کا عام انتخاب ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وزارت کو اکثریت حاصل ہوئی۔ اس پر سالانہ مسودۂ مالیات دوبارہ پیش ہوا اور اس مرتبہ منظور ہوگیا۔ اس کی پیشی سے قبل وزیراعظم نے اس مفہوم کی تجویزیں دارالعوام میں رکھیں کہ امرا کے اختیارات محدود کردینے چاہئیں۔ یہ تجویزیں بڑی اکثریت سے منظور ہوئیں اور فوراً ایک سرکاری مسودہ سامنے آگیا۔ جو ان تجویزوں پر مبنی تھا۔ ادھر لارڈ روزبری نے بھی بطور تحفظ دارالامرا میں چند تجویزیں پیش کیں۔ جن میں دارالامرا کی دستوری اہمیت دکھاتے ہوئے اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ سرکاری مسودہ پر ہزاروں ترمیمیں پیش ہوئیں مگر حکومت اپنی بات پر اڑی رہی اور ۲۰ رجولائی سنہ ۱۹۱۱ء کو یہ مسودہ قانون بن گیا۔ اس قانون کی رو سے جسے پارلیمنٹ ایکٹ کا نام دیا گیا، دارالعوام کو یہ حق مل گیا کہ وہ دارالامرا کی مخالفت کے باوجود مالی مسودے منظور کرسکتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ صدیوں سے دارالامرا کو جو آزادانہ اختیارات حاصل تھے وہ سلب ہوگئے۔ غیر مالی مسودات اور آئین سازی کے معاملہ میں دارالامرا کا اختیار اب بھی کافی موثر ہے۔ مگر وہ مسودوں کو صرف معطل کرسکتا ہے۔ انھیں مطلقاً رد نہیں کرسکتا۔

دارالامرا کی اصلاح کے سوال کو موجودہ برطانوی سیاسیات میں بھی مرکزی حیثیت حاصل ہی۔ اور ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا ہی کہ اس کی اصلاح ہو گئی یا اس ایوان کو بالکل ہی ختم کر دیا جائیگا۔ پھر یہ سوال بھی درپیش ہی کہ آیا ایک ایسے ایوان کے لئے جو قانون ساز اختیارات کے لحاظ سے دارالعوام ہی کے لگ بھگ ہی ممبری کا حق موروثی رکھنا درست ہی یا نہیں۔

باب ۵

پارلیمنٹ

قانون سازی

برطانیہ کی پارلیمنٹ کے اختیارات قانون سازی لامحدود ہیں۔ ہر موضوع پر اس کے ایوانوں میں قانون بن سکتا ہے۔ معمولاً ایک مسودۂ قانون ایک ایوان میں پیش ہوتا ہے۔ تین خواندگیوں کے بعد دوسرے ایوان کو بھیجدیا جاتا ہے وہاں بھی اس کی تین خواندگیاں ہوتی ہیں اور پھر شاہی منظوری حاصل کر لینے کے بعد قانون بن جاتا ہے اور نافذ کر دیا جاتا ہے۔ دونوں ایوانوں میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں قسم کے مسودے پیش ہو سکتے ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں۔ اول تو مالی مسودے دارالعوام ہی سے اور جوڈیشل مسودے دارالامرا ہی سے شروع ہو سکتے ہیں۔ دوسرے ایسی صورت میں جب حکومت روز بروز قانون سازی کو پہلے سے زیادہ اپنے ہاتھوں میں لیتی جاتی ہے پرائیویٹ ممبروں کے مسودوں کی اہمیت کم ہوتی جاتی ہے۔

دونوں ایوانوں میں ہر مسودۂ قانون کو پانچ مدارج طے کرنے پڑتے ہیں۔ (۱) پہلی خواندگی (First Reading) ۲۔ دوسری خواندگی (2nd Reading) ۳۔ کمیٹی ۴۔ رپورٹ ۵۔ تیسری خواندگی۔ پہلی خواندگی صرف ضابطہ کی کارروائی ہوتی ہے۔ وزیر یا ممبر اپنا مسودہ پیش کرنیکی اجازت طلب کرتا ہے۔ صدر اجازت دیدیتا ہے۔ مسودہ کلرک یا سکریٹری کے پاس بھیجدیا جاتا ہے۔ وہ بلند آواز سے ایوان کو مسودہ کا عنوان سنا دیتا ہے۔ ایوان کے ممبر

مسودہ پڑھے بغیر نہیں صرف چھپ کر دوسری خواندگی کیلئے پیش کئے جانیکا حکم دیدیتے ہیں۔ دوسری خواندگی کے وقت مسودۂ قانون کے اصول پر بحث ہوتی ہے۔ بسا اوقات یہ بحث بہت طویل ہو جاتی ہے۔ دوسری خواندگی کے بعد پورا ایوان ایک کمیٹی کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے یا مسودہ کسی اسٹینڈنگ کمیٹی کے سپرد ہو جاتا ہے۔ اسی کو "کمیٹی اسٹیج" کہتے ہیں۔ یہاں مسودہ پر تفصیل کے ساتھ بحث ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس پر رپورٹ پیش کی جاتی ہے اور ترمیم و تنسیخ کے بعد مسودہ دوبارہ چھپتا ہے اور ایوان کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ اس وقت پھر بحث ہوتی ہے اور جب بحث و مباحثہ بالکل ختم ہو جاتا ہے، تب کہیں مسودہ تیسری خواندگی کے لئے تیار سمجھا جاتا ہے۔ اگر پورے ایوان کی کمیٹی میں مسودے میں کوئی ترمیم نہ ہوئی ہو تو بعض اوقات رپورٹ کا درجہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ لیکن جب مسودہ اسٹینڈنگ کمیٹی کے سامنے جاتا ہے تو یہ درجہ کبھی ترک نہیں کیا جاتا۔ تیسری خواندگی میں قانون کے اصول پر بحیثیت مجموعی بحث ہوتی ہے اور تفصیلات سے گریز کیا جاتا ہے۔ معمولاً یہ مدارج کئی کئی دن لیتے ہیں مگر ضرورت اور تنگی کے موقع پر ان کی تکمیل صرف چند گھنٹوں میں ہو جاتی ہے۔ تیسری خواندگی کے بعد مسودہ دوسرے ایوان کو بھیجا جاتا ہے۔ وہاں اسے دوبارہ یہی سب مدارج طے کرنے پڑتے ہیں۔ اگر ترمیمیں پیش کرنی ہوں تو مع ترمیموں کے مسودہ پہلے ایوان کو واپس ہو جاتا ہے تاکہ ان ترمیموں پر بھی وہ غور کر لے۔ لیکن اگر دوسرا ایوان مسودے کو پسند نہ کرے تو مسودہ ختم ہو جاتا ہے۔ دونوں ایوانوں میں اتفاق رائے نہ ہونے کی صورت میں دارالامرا ہی کو جھکنا پڑتا ہے اگر دونوں ایوانوں کی منظوری مل جائے تو مسودہ پر شاہی منظوری حاصل کی جاتی ہے اور وہ قانون بن جاتا ہے۔

مالی مسودے

مالی مسودوں کے معاملہ میں طریقہ ذرا مختلف ہوتا ہی۔ سب سے پہلے تخمینے (Estimates) تیار ہوتے ہیں۔ یکم اکتوبر کو محکمہ خزانہ ان تمام محکموں کو ایک گشتی مراسلہ بھیجتا ہی۔ جن کا تخمینے تیار کرنے سے کوئی تعلق ہوتا ہی۔ اس مراسلہ میں ان سے درخواست کی جاتی ہی کہ اپنے اپنے محکموں کے تخمینے کفایت کو مدنظر رکھتے ہوئے تیار کردیں۔ یہ مراسلہ موصول ہوجانے پر محکمہ کے افسران اپنے اپنے اہلکاروں کو تخمینے تیار کرنے پر لگاتے ہیں۔

جب تخمینے زیر تیاری ہوتے ہیں۔ محکمے محکمۂ خزانہ سے قریب ترین تعلق قائم رکھتے ہیں۔ تخمینے تمام محکموں سے حاصل کرلینے کے بعد محکمۂ خزانہ کا ایک افسر اُن پر ایک تنقیدی نظر ڈالتا ہی اور اب وہ پارلیمنٹ کے سامنے رکھے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔

سشن کے ابتدائی ہفتوں میں تخمینے پیش ہوجاتے ہیں۔ دارالعوام کی پوری کمیٹی ان پر غور کرتی ہی۔ اور تجاویز کی شکل میں ان کو منظور کرتی ہی۔ یہ تجویزیں مجتمع شکل میں یک ایکٹ کی صورت میں ایوان کے سامنے رکھی جاتی ہیں مالی قوانین کی ابتدا صرف دارالعوام ہی میں ہوسکتی ہی۔ دارالامرا میں نہیں۔ دارالعوام کی کمیٹی کے سامنے وہ لازمی طور پر رکھے جاتے ہیں۔ کابینہ انھیں اپنی ذمہ داری پر دارالعوام میں پیش کرتا ہے۔ غیر سرکاری ممبران میں کسی نئے خرچ کے اضافہ کی تحریک نہیں کرسکتے۔ البتہ غیر سرکاری ممبروں کی طرف سے تخفیف کی تحریک ہوسکتی ہی۔ ایوان صرف بیس دن تک اس ایکٹ پر بحث کرنے کیلئے دیتا ہی اور انھیں بیس دنوں میں کام ختم کردینا ہوتا ہی۔

آمدنی یا مالیانہ کے تخمینے علیحدہ پیش ہوتے ہیں۔ چانسلر دارالعوام کی پوری کمیٹی کے سامنے جسے کمیٹی ذرائع وطرائق (Committee of Ways & means)

کہتے ہیں انھیں پیش کرتی ہے۔ دارالعوام میں وزیر مالیات کا ایک بیان بھی ہوتا ہے۔ اس میں سالِ گزشتہ کی آمدنی اور خرچ پر تبصرہ ہوتا ہے، سالِ موجودہ کی اخراجات اور مالیانہ کا اندازہ بتایا جاتا ہے اور محصولوں میں ترمیم تخفیف وغیرہ کی متعلق تجویزیں سامنے رکھی جاتی ہیں۔ تخمینے تجاویز کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ تجویزوں سے ہر سال دو ایکٹ بنتے ہیں۔ فنانس ایکٹ اور ریونیو ایکٹ۔

نجی مسودے ویسے پرائیویٹ اور سرکاری مسودوں میں بلحاظ ضابطہ کوئی حدِّ امتیاز قائم نہیں کی جاسکتی۔ مگر پرائیویٹ اور سرکاری مسودوں میں پھر بھی ایک معمولی سا فرق ضرور ہے۔ پبلک یا سرکاری مسودۂ قانون وہ مسودہ ہوتا ہے جس کا حکومت کے مفاد پر اثر پڑے اور جس کی غایت عام فائدہ ہو۔ پرائیویٹ مسودۂ قانون کی غایت کسی خاص علاقے یا شخص یا جماعت کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے۔ پرائیویٹ بِل سشن سے قبل ایک عرضداشت کی صورت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ واضعین اور مخالفین دونوں سے فیس بھی لیجاتی ہے۔ اس لحاظ سے پرائیویٹ مسودے کا (اگر ہو تو) بڑی بھاری قیمت پر نفاذ ہوتا ہے۔

باب ۶

پارلیمنٹ

فضا

ابتدا ہی سے برطانوی پارلیمنٹ کا مقام ویسٹ منسٹر میں دریائے ٹیمز کے بائیں کنارے پر ہے۔ دونوں ہال جن میں دارالامرا اور دارالعوام کی نشستیں ہوتی ہیں اس طرح ایک دوسرے کے مقابل واقع ہوئے ہیں کہ دارالامرا کے جنوبی سرے پر رکھا ہوا شاہی تخت، دارالعوام کے شمالی کونے پر رکھی ہوئی اسپیکر کی کرسی پر سے صاف نظر آتا ہے۔ عوام کا کمرہ اتنا چھوٹا ہے کہ صرف پچھتر سے پنتالیس فٹ ہے نشستیں صرف تین سو پچاس ہیں حالانکہ دارالعوام کی ممبروں کی پوری تعداد سات سو سات ہے۔

سرکاری ممبروں اور جماعتِ مخالف کے سوا اور کسی کے لئے نشستیں متعین نہیں ہیں سیشن کے پہلے دن ممبر وقت سے بہت پہلے ایوان کے بند دروازوں پر آموجود ہوتے ہیں اور جب آٹھ بجے صبح دروازے کھلتے ہیں تو نشستوں پر قبضہ کرنے کیلئے انھیں اپنی پوری قوت کیساتھ بھاگ دوڑ اور کش مکش کرنی پڑتی ہے۔ یہ کش مکش ایک ہی دن کیلئے نہیں ہوتی، ہفتوں میں جاکر کہیں نشستوں پر حقوق قائم ہوتی ہیں اور دوسرے سیشن تک یہ حقوق پھر زائل ہوجاتے ہیں اور نئے سرے سے کش مکش کرنی پڑتی ہے۔[1]

---

[1] مسٹر رابرٹ بارنیز (ایم۔ پی) ایک مضمون مندرجہ منشیز پال مال بابتہ نومبر ۱۹۳۴ء میں

تقریر تحریر سب میں دقت ہوتی ہے نہ ڈیسک ہیں نہ کاغذات وغیرہ رکھنے کے لئے کوئی انتظام ہی۔ اسی غیر آرام دہ جگہ میں بعض دفعہ ممبران کو رات رات بھر بیٹھنا پڑتا ہی۔ رات کے چار بجے تک تو خیر بُرا بھلا وقت کٹ جاتا ہی مگر اس کے بعد مزاجوں میں برہمی پیدا ہونے لگتی ہی۔ اور اسپیکر کو نظم قائم رکھنے میں بڑی بیدار مغزی اور ٹھنڈے دل سے کام لینا پڑتا ہی۔ جاڑے میں صبح کو آٹھ بجے جب سورج کی کرنیں کھڑکیوں سے اندر داخل ہوتی ہیں تو ایک عجیب انتشار اور افسردگی کا سماں پیش نظر ہوتا ہے کیونکہ رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے ممبروں کے عجیب حُلیے بن جاتے ہیں۔ مگر خیریت یہ ہوتی ہی کہ اس وقت تک تماشائی سب جا چکے ہوتے ہیں۔

پارلیمنٹ کے ممبروں کو اپنی اپنی جماعتوں کے تحفظ کے خیال سے رات رات بھر بیٹھنا پڑتا ہے۔ سرکاری ممبروں اور حکومت کے حامیوں کے لیے تو اس سے مفر ہی نہیں۔ کیونکہ ان کا تو یہ فرض ہی کہ ہمیشہ حکومت کی اکثریت قائم رکھیں۔ دن یا رات کے کسی لمحہ میں جب شمار آرا کا احتمال ہو، ایک سرکاری ممبر دروازہ پر جاکر کھڑا ہوتا ہی اور جانیوالے ہر سرکاری ممبر سے پوچھتا ہے کہ وہ کہاں جا رہا ہی اور کب واپس ہوگا۔ ایسے خفیہ راستے بھی ہیں جن سے بلا روک ٹوک ایک شخص باہر جا سکتا ہے۔ مگر ان راستوں کو استعمال کرنا شرافت سے گرا ہوا فعل سمجھا جاتا ہے۔ مخالف حکومت جماعت اپنی قوتوں کو مجتمع رکھنے

لکھتے ہیں، بجٹ کے دن سہ پہر کے وقت سابق وزیر مال مسٹر چیمبرلین دیر سے آئے۔ دیکھا تو انکی نشست پُر ہو چکی تھی۔ اب انھیں کسی اور طرف میزبانی کی تلاش ہوئی۔ آخرکار بڑی تلاش کے بعد مسٹر میگ گورن کے قریب جگہ ملی جو پکے سوشلسٹ تھے۔ ایوان نے اس "اتفاق" سے بڑا لطف لیا۔

کیلئے زیادہ عجیب و غریب چالیں چلتی ہی۔ اس کے وہپ اکثر یہ وطیرہ اختیار کرتے ہیں کہ حکومت کو تھپک تھپک کر نیند یا لاکر دیتے ہیں اور جب اسے یہ یقین ہو جاتا ہی کہ اب مخالف جماعت کے مقابلہ میں ہماری پوزیشن محفوظ ہی تو "شب خون" مارتے ہیں۔ آخر تک وہ یہی ظاہر کرتے رہتے ہیں کہ حکومت کی جانب وہ کوئی "پیش قدمی" کرنیوالے نہیں ہیں۔ ان کے لئے صرف یہی ضروری نہیں کہ ہر وقت اپنے آدمیوں کو حاضر رکھیں بلکہ انھیں اس حقیقت کی بھی پردہ پوشی کرنی پڑتی ہی کہ مخالف جماعت کی پوری جمیعت ایوان میں موجود ہے ایک دفعہ جنگِ عظیم سے قبل قدامت پسندوں نے برسرِ اقتدار لبرل حکومت کو ہوم رول بِل کی ایک دفعہ پر اچانک زک دینے کا فیصلہ کیا۔ جب "حملے" کا وقت آیا تو یہ معلوم ہوتا تھا گویا معاملے میں کوئی دلچسپی ہی نہیں لی جا رہی ہی اور ایوان کچھ مضمحل سا ہی۔ حکومت کے وہپ یہ سمجھے کہ میدان مار لیا۔ اور بغیر کسی خطرہ کا سامنا کئے اس وقت رائے شماری عمل میں لائی جا سکتی ہے جو ہمارے مفاد کے مطابق ہو گی۔ چنانچہ جب مخالف حکومت جماعت نے بحث کو ختم کیا تو حکومت کی طرف سے اُسے طول دینے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی گئی اور رائے شماری کی گھنٹیاں بجنے لگیں مگر حکومت کو چند ہی منٹ بعد (گو بعد از وقت) احساس ہوا کہ ہم گھر گئے کیونکہ ہر طرف سے مخالف جماعت کے ممبران ایوان میں گھس پڑے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ قدامت پسند پارٹی نے ایوان کے اندر اور باہر ہر کونے اور گوشے میں اپنے ممبر چھپا دئے تھے۔ کچھ ویسٹ منسٹر کے انڈر گراونڈ اسٹیشن کے قریب سینٹ اسٹیفن کلب میں انتظار کر رہے تھے جہاں شمار آراء کی گھنٹیاں لگا دی گئی تھیں، کچھ اسٹیشن ہی پر ٹہل رہے تھے، اور قاصد لگے ہوئے تھے جنھوں نے انھیں

اشارے دیئے۔ کچھ کمیٹیوں کے کمروں میں اور کچھ غسلخانوں میں پوشیدہ تھے۔
حکومت مخالفت کے اس سیلاب کے آگے نہ ٹھہر سکی۔ اس نے اپنے حامیوں کو ٹیلیفون کھڑکائے مگر اتنے میں کہ وہ آئیں آئیں حکومت اقلیت میں ہونیکی وجہ سے شکست کھا گئی۔ اور مخالفین کو پوری سینہ زوری اور دیدہ دلیری کیساتھ اس سے استعفیٰ طلب کرنیکا موقع مل گیا۔ ایسے مواقع پر غیر حاضری کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جاتا کیونکہ اگر حکومت اور مخالفین حکومت تعداد کے اعتبار سے لڑتے بھڑتے ہوں تو دونوں طرف سے حامیوں کو ہمہ وقت ایوان میں حاضر رہنے کی ضرورت ہے۔
پارلیمنٹ کے آداب بڑے سخت ہیں۔ چرٹ نوشی کی قانوناً ممانعت ہے یہ قانون ان لکھا ہے اس لئے از قسم روایات بن کر اور بھی ناگزیر ہوگیا ہے ایک ممبر اخبار اسی حالت میں پڑھ سکتا ہے جب اُسے اخبار میں سے کسی بات کا حوالہ دینا ہو۔ ایوان کے اندر کچھ پڑھنے کی ممانعت اس قدر شدید ہے کہ خطوط تک نہیں پڑھے جا سکتے ہیں۔[۱]

[۱] مسٹر رابرٹ بارنیز ممبر پارلیمنٹ (اپنے اسی مضمون میں جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے) ایک جگہ لکھتے ہیں:۔ ایک دفعہ میں نے اس جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے سر جان سائمن کو پکڑ لیا۔ یہ موقع تھا اس بحث کا جو روس میں برطانوی قیدیوں پر ہو رہی تھی اور جماعتی مخالفت کا جذبہ ذرا زیادہ زوروں پر تھا۔ سر جان سائمن کے لب ولہجہ اور ان کے انداز تقریر سے ہم میں سے بعض برہم تھے اور اُن پر پلٹ کر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ دفعتہً ہم پر یہ ظاہر ہوا کہ سر جان خزانے کے بنچوں پر بیٹھے ہوئے ایک جرم کر رہے ہیں یعنی ایک اخبار پڑھ رہے ہیں اور اخبار بھی کونسا "کمیونسٹوں کا آرگن ڈیلی ورکر" یہ سنہری موقع ایسا نہیں تھا کہ ہاتھ سے کھو دیا جائے۔ میں نے فوراً ڈپٹی اسپیکر سے سوال کیا کہ آیا معزز

ڈسپلن اور احتیاط کا یہ عالم ہے کہ دارالعوام میں ممبر اپنے ساتھ کوئی بکس وغیرہ بھی نہیں لے جا سکتا۔ صرف عورت ممبروں کو اپنے چمڑے کے ہینڈ بیگ اندر لیجانیکی اجازت ہے۔ اس سے غرض تشدد اور لڑائی جھگڑے کے احتمال کو مفقود کرنا ہے۔ ایک مرتبہ ایک ممبر نے لبرل حکومت کے دور میں ایک بحث کے دوران میں طیش میں آکر مسٹر چرچل پر ایک کتاب کھینچ ماری تھی۔ مگر اس حادثہ کا ایک ظریفانہ پہلو یہ تھا کہ وہ کتاب پارلیمنٹ کے اصولوں اور ضابطوں کا مجموعہ تھی۔ تشدد کی روک تھام کے لئے قدیم سے بھی بعض عجیب و غریب روایات اور رسوم چلی آتی ہیں۔ مثلاً ایوان کے وسط میں اگلے کی قطار کی بنچوں کے آگے سے دری کا ایک طویل پارچہ گذرتا ہے کوئی ممبر دورانِ تقریر میں خواہ کتنا ہی گرم ہوجائے مگر وہ اس پارچہ پر قدم نہیں رکھیگا۔ اور اگر وہ اس حرکت کا مرتکب ہوگا تو بلاشبہ "آرڈر آرڈر" کی صدائیں اسے روکیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب معزز ممبر دری کے پارچے پر آکھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے مخالفوں سے صرف ہاتھ دو ہاتھ کے فاصلہ پر رہ جاتا ہے۔

چنانچہ غالباً اسی لئے دارالعوام میں ہتھیار لیکر داخل ہونا بھی ممنوع ہے۔ ایک پرانا طریقہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی ممبر ایوان میں داخل ہوتا ہے تو وہ اسپیکر کی کرسی کی طرف رُخ کرکے تعظیماً جھکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ

ممبر کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ ٹریژری بنچوں پر ایک قومی اخبار پڑھیں۔ نائب اسپیکر کو اصول تسلیم کرنا پڑا۔ اور سر جان سائمن یہ کہتے ہوئے اٹھ کر باہر چلے گئے کہ میں تو ادائیگی فرائض کے سلسلے میں یہ اخبار دیکھ رہا تھا۔ لطف لینے کیلئے تھوڑا ہی دیکھ رہا تھا۔

عوام کی نشست گاہ پہلے سینٹ اسٹیفن گرجا میں تھی اور وہاں داخل ہو کر ہر شخص کو صلیبی چبوترہ (Altar) کے آگے تعظیماً جھکنا پڑتا تھا۔ مباحثے کے دوران میں خطاب صدر ہی سے کیا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں بھی جب ایک سے زیادہ افراد تقریر کرنی چاہتے ہوں، صدر یا اسپیکر ہی کامل غیر جانبداری سے کام لیتے ہوئے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ان میں سے کس کو تقریر کی اجازت ملنی چاہیے۔

رائے شماری کے وقت جب دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں تو ممبران بیٹھے بیٹھے بول سکتے ہیں۔ باقی مواقع پر وہ کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہیں۔ لکھی ہوئی تقریر نہیں پڑھی جا سکتی۔ غیر ضروری امور کے تذکرہ سے صدر ممبروں کو نہ صرف بذریعہ تنبیہ باز رکھ سکتا ہے بلکہ انھیں تقریر ختم کر دینے پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔ اگر کوئی ممبر غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل اختیار کرے تو صدر اسے حکماً ایوان سے باہر نکال دیتا ہے اور ایوان کے ووٹ پر وہ خدمات سے معطل بھی ہو جاتا ہے۔ حکومت کے قانون سازی کے پروگرام سے جو امور خارج ہو جاتے ہیں اُن پر پرائیویٹ ممبروں کو زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا جاتا حکومت کے کاروبار کے متعلق البتہ سوالات کئے جا سکتے ہیں۔ مگر سوالات کے لئے بھی وقت بہت کم دیا جاتا ہے۔ بحث کو ختم کرنے کے تین طریقے ہیں سمپل کلوژر (Simpil Closure) گلوٹین (Gullotine) اور کانگرو (Kangroo) پہلی صورت میں جب سوال تجویز ہو چکتا ہے[1] تو ایک ممبر اپنی جگہ سے اٹھتا ہے اور یہ تجویز کرتا ہے کہ اب سوال کیا جائے[2] اور اگر اسپیکر

---

[1] سوال تجویز ہونا (Proposing the Question) سے مطلب رائے شماری چاہنا ہے۔ [2] سوال کیا جائے۔ (The Question be now Put.)

یہ سمجھے کہ اس سے ایوان کے قواعد اور اقلیت کے حقوق پر کوئی ضرب نہیں لگتی تو یہ سوال کہ سوال کیا جائے پیش ہو جاتا ہے اور بغیر ترمیم یا بحث کے اُسے منظور کر لیا جاتا ہے۔ اس طریق سے بحث فوراً منقطع ہو جاتی ہے۔ مگر اس قسم کے خاتمے کو موثر بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایوان میں سو اور اسٹینڈنگ کمیٹی میں بیس افراد اس کی تائید کریں۔ گلوٹین یا کلوژر بائی کمپارٹمنٹ (Closure by Compartment) کا طریق اس سے زیادہ موثر ہوتا ہے اس کی رُو سے مسودے پر بحث شروع کرنے سے پہلے ایوان مسودے کے مختلف حصّوں یا اس کے مرحلوں کے لئے وقت مقرر کر دیتا ہے۔ جب کسی حصّہ کا مقررہ وقت ختم ہو جاتا ہے تو عام اس سے کہ اس پر بحث پوری طرح ہوئی یا نہ ہوئی ہو، رائے شماری عمل میں آجاتی ہے۔ اس طرح وقت کی کفایت ہو جاتی ہے اور یہ بھی یقین رہتا ہے کہ فلاں تاریخ تک مسودہ پر بحث ختم ہو جائے گی۔ تیسرا طریقہ کانگرو اس طرح پر ہے کہ جتنی ترمیمیں پیش ہو چکی ہیں ان میں سے اہم ترین ترمیموں یا مسودوں کی دفعات میں سے ضروری دفعات صدر چُن لیتا ہے اور صرف انہی پر بحث ہوتی ہے۔ یوں بھی وقت بچ جاتا ہے۔

جیسا کہ ہر جگہ دستور ہے بحث ختم ہو جانے کے بعد رائے شماری ہوتی ہے۔ صدر یا اسپیکر ایوان کے سامنے وہ سوال رکھتا ہے جس پر رائے شماری ہوتی ہے۔ اور ممبران کو "ہاں" یا "نہیں" کے ذریعہ اظہار رائے کی دعوت دیتا ہے۔ اور اپنے ذاتی اندازہ سے فیصلہ کر دیتا ہے۔ اگر اس کے فیصلہ کی صحت میں شبہ کرتے ہوئے اعتراض کیا جائے تو تماشائیوں سے ایوان کے باہر چلے جانے کی درخواست کی جاتی ہے۔ برقی گھنٹیاں تمام عمارت میں بجنے

لگتی ہیں اور دروازے مقفل کردیئے جاتے ہیں۔ وہ سوال جس پر رائے شماری ہوتی ہے ایک بار پھر دہرایا جاتا ہے۔ اور دوبارہ زبانی ووٹ لیا جاتا ہے اور فیصلہ دیا جاتا ہے۔ اگر اب بھی کوئی ممبر اسپیکر کے فیصلہ کو صحیح ماننے سے انکار کرے تو اسپیکر ایوان کو تقسیم ہونیکا حکم دیتا ہے۔ "ہاں" کہنے والے صدر کی دائیں جانب، اور "نہیں" کہنے والے بائیں طرف چلے جاتے ہیں اور صدر کے مقرر کیئے ہوئے چار آدمی انکا شمار کرتے ہیں۔ اگر صدر اعتراضات کو غیر ضروری خیال کرے تو وہ موافق اور مخالف ممبروں کو اپنی اپنی نشستوں پر کھڑا ہو جانیکا حکم دے سکتا ہے اور وہیں کھڑے کھڑے ان کا شمار ہو جاتا ہے۔

دارالامراء میں رائے شماری کے یہ طریق استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی کیونکہ یہ ایوان کسی کش مکش یا گرما گرمی سے ہمیشہ اونچا رہتا ہے۔

دارالعوام کی پارلیمنٹری زبان

دارالعوام کی فضا بالکل ایک کلب کی سی ہے۔ ایوان سے باہر آنے کے بعد نشست و برخاست کے کمروں میں مخالف پارٹیوں کے ممبر ایک دوسرے کے ساتھ ملکی مسائل پر اس طرح گفتگو کرتے ہیں گویا ان میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ اسکاٹ لینڈ سے آئے ہوئے ایک مزدور ممبر پارلیمنٹ کا ذکر ہے کہ ممبر بن کر پارلیمنٹ میں آنے سے پہلے وہ قدامت پسند پارٹی کے سخت خلاف تھا۔ خصوصاً اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر بالڈون سے بڑی نفرت کرتا تھا۔ مگر جب وہ پارلیمنٹ میں آیا اور وہاں کی فضا کا اس پر اثر پڑا تو گو اس کے خیالات میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی مگر وہ دوسری پارٹیوں کے ممبروں اور لیڈروں سے نفرت کرنی ضرور بھول گیا۔

پارٹیوں کے وہپ اور لیڈر مباحثوں کے وقت تو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں اور مخالف کو بری طرح شکست دینے میں کوئی دقیقہ

اٹھا نہیں رکھتے مگر ویسے وہ دوست بنے رہتے ہیں۔ ان کے تعلق کو دوستانہ رقابت سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ غالباً اسی میل جول کی اسپرٹ کا اثر ہے کہ سب پارٹیوں کے سمجھوتے سے دار العوام میں بعض اَن لکھے قاعدوں کی پابندی کی جاتی ہے مثلاً یہ طے ہے کہ آٹھ اور نو بجے شب کے درمیان جب اکثر ممبر کھانا کھاتے ہیں۔ رائے شماری کا مطالبہ نہیں کیا جائیگا۔

اکثر اوقات دار العوام میں بڑے زور شور کے مباحثے ہوتے ہیں اور مخالف پارٹیوں کے ممبر ایک دوسرے پر خوب لے دے کرتے ہیں۔ مگر دار العوام میں جو پارلیمنٹری زبان استعمال کی جاتی ہے وہ اس قدر غیر دل آزار اور محتاط ہوتی ہے کہ آپس کے تعلقات میں پھر بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ دار العوام کے یہ مخصوص آداب گفتگو گذشتہ دو تین سو برس کی پیداوار ہیں۔ تقریر کرتے وقت جب کوئی ممبر اپنے مخالف کا ذکر کرتا ہے تو وہ اس کا نام نہیں لیتا بلکہ جس حلقے سے وہ آیا ہے اس کی نسبت سے پکارتا ہے۔ اس سے گفتگو میں غیر جانبداری پیدا ہو جاتی ہے اور ذاتیات کا معاملہ درمیان میں نہیں آتا۔ مختلف حیثیتوں کے لوگوں کو مخاطب کرنے یا ان کا حوالہ دینے کے مختلف انداز ہیں۔ مثلاً جو ممبر فوج یا بحری بیڑے میں نوکری کر چکا ہو اُسے "میرے آنریبل اور بہادر دوست ممبر فلاں" کہتے ہیں۔ اگر کوئی ممبر قانونی پیشے سے تعلق رکھتا ہے تو اسے "میرے آنریبل اور لائق دوست ممبر فلاں" کہا جاتا ہے۔ جو ممبر پریوی کونسلر ہوتا ہے اُسے "رائٹ آنریبل" کہا جاتا ہے۔ سرکاری ممبروں کو ان کے عہدوں کی نسبت سے پکارتے ہیں۔

دار العوام کا ایک مخصوص قاعدہ یہ بھی ہے کہ ممبر آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کر سکتے بلکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اسپیکر سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ اگر

اگر ممبر آپس میں اشتعال انگیز طور پر تبادلۂ الفاظ کرنے لگتے ہیں تو اسپیکر فوراً آرڈر آرڈر چلانے لگتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ براہ راست "تُو تُو مَیں مَیں" سے اشتعال انگیزی اور مفسدہ انگیز توہین کا جو خطرہ پیدا ہو سکتا ہے، وہ دور ہو جاتا ہے۔

پارلیمنٹری زبان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مخالف پر شدید ترین حملہ کیا جاتا ہے مگر اس میں دوسرے کی توہین کا کہیں شائبہ نہیں ہوتا۔ یہ فیصلہ کرنا کہ آیا کوئی فقرہ پارلیمنٹری زبان کی حدود میں ہے یا نہیں۔ اسپیکر کے لئے مشکل ترین ذمہ دارانہ فرائض میں سے ہے۔ ۱۹۲۹ء کا ذکر ہے کہ مسٹر ونسٹن چرچل (چانسلر) اور مسٹر اسنوڈن (سابق چانسلر) میں روزانہ لفظی جنگ ہوتی تھی۔ مسٹر چرچل کے پیش کئے ہوئے بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر سنوڈن نے کہا "اقتصادی اعتبار سے آنریبل ممبر کی عیاشیوں کا دور ختم ہو رہا ہے۔ ہر پارٹی کے افراد ان کے اس جگہ سے ہٹنے پر خوش ہوں گے جس کا انھوں نے ناجائز استعمال کیا ہے۔" اگر پہلے فقرہ کے ابتدائی الفاظ کے معنوں پر غور کیا جائے تو مخالف پر ایک بہت بڑا حملہ ہوتا ہے مگر مقرر نے الفاظ کو اس طرح پیش کیا ہے کہ ان میں ایک قسم کی چاشنی تو ہے، توہین نہیں ہے اس کے جواب میں مسٹر چرچل نے کہا "میرے دوست رائٹ آنریبل ممبر ایک وسیع علاقہ پر تعصب اور تنفر کا جالا تننے کے عادی ہیں۔" اس کا یہ مطلب ہوا کہ مسٹر سنوڈن نے جو الزام مجھ پر لگایا ہے وہ صرف ان کی کوتاہ نظری ہے۔

دارالعوام کی بعض عجیب رسمیں

پارلیمنٹ کے اجلاس کا وقت بالعموم دن کے تین بجے سے رات کے گیارہ بجے تک ہے۔ فرض کیجئے کہ ہم دن کے ڈھائی بجے ویسٹ منسٹر پہنچتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم پولیس مین کے پاس سے گذرتے ہیں وہ ہمیں فوراً سلام کرتا ہے۔ یہاں نیچے

پولس بینوں کا یہ وصف قابلِ تعریف ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے ۶۱۵ ممبروں میں سے ہر ممبر سے واقف ہیں۔ اور آفیشل اسٹاف سے بھی صورت آشنا ہیں۔ راستوں سے گذرنے کے بعد ہم کپڑوں کے کمرے (Clock Room) میں پہنچتے ہیں جہاں کپڑے ٹانگنے کی کھونٹیاں لگی ہوئی ہیں۔

کچھ فاصلہ پر ہم ایک بلند اور گونج دار پکار سنتے ہیں "اسپیکر" بڑی مرکزی لابی میں جو درجنوں آدمی ممبروں سے ملنے یا اور کاموں کیلئے کھڑے ہوئے ہیں انھیں ایک طرف ہٹا دیا جاتا ہے۔ اور پارلیمنٹری عمارتوں میں سے اپنی رہائش گاہ سے نکل کر پارلیمنٹ کا اسپیکر ایک پُروقار جلوس کی شکل میں گذرتا ہے۔ اس کے آگے سرجنٹ ایٹ آرمز ہے۔ جس کے جسم پر بڑی سج دھج کا درباری لباس ہے۔ اور پہلو میں ایک تلوار اور ہاتھ میں سُنہری عصا ہے۔ اسپیکر کے درباری لباس پر زرکار گاؤن ہے اور اس کے جوتوں کے روپہلی بکل سیاہ گاؤن اور لباس کے مقابل چمکتے دمکتے دکھائی دیتے ہیں۔

پارلیمنٹ کے ایوان کے دروازے پر اسپیکر رُکتا ہے اور ادب سے جھکتا ہے۔ پھر ایوان کے اندر داخل ہونے کے بعد بھی چلتے ہیں اسپیکر دو دفعہ جھکتا ہے پھر وہ ڈائس پر چڑھتا ہے۔ اس ڈائس پر اسپیکر کی کرسی دھری ہے۔ جس کی پُشت پر ایک بلند و بالا اور عالیشان چھتر ہے۔

دستور یہ ہے کہ روزانہ وزیٹروں کو گیلریوں میں گھسنے دینے سے پہلے ویسٹ منسٹر ایبے کا ایک پادری اسپیکر کے سامنے دعائیں پڑھتا ہے۔ اس کے بعد وزرا ایک گھنٹہ تک ممبروں کے اُن سوالات کے جوابات دیتے رہتے ہیں جو کئی دن پہلے سے موصول ہو چکے ہوتے ہیں۔

جاڑوں کے دنوں میں سہ پہر کو دن کی روشنی بہت جلد دھیمی پڑ جاتی ہے

ایک ممبر صاحب چلاّتے ہیں "شمعیں" (شاید ان کو اپنی تقریر کے نوٹ لکھنے میں اندھیرے کی وجہ سے حروف دکھائی نہیں دیئے)۔ ان کی اس پکار کو اوروں نے اٹھایا۔ اے لیجئے وہ شور مچنے لگا "شمعیں شمعیں"

برطانوی پارلیمنٹ کا اجلاس بھی قدیم زمانہ کا کوئی مشاعرہ ہے کہ ان میں شمعوں کی ضرورت ہے؟ آپ سمجھے نہیں۔ اصل میں پرانے زمانہ میں نوکر پارلیمنٹ میں شمعیں روشن کیا کرتے تھے۔ اس لئے اب تک وہی لفظ رائج ہے۔ ورنہ اب تو وہاں برقی قمقمے لگے ہیں۔ اسپیکر یہ آوازیں سُنکر اپنی کرسی کے قریب کا ایک برقی بٹن دبا دیتا ہے۔ ایوان برقی قمقموں سے جگمگا اٹھتا ہے۔

سوالات کے جوابات دئے جا چکے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایوان کے کٹہرے کے پاس تین آدمی کھڑے ہیں۔ اسپیکر پکارتا ہے: "اب وہ صاحبان آئیں جو ایوان کے ممبر بننا چاہتے ہیں۔"

جن تین آدمیوں کو ہم نے کھڑے دیکھا ہے وہ آگے بڑھتے ہیں۔ یہ درمیان میں ایک نیا ممبر ہے۔ اور دائیں اور بائیں دو پُرانے ممبر ہیں۔ پہلے وہ اپنی جگہ پر ادب سے جھکتے ہیں، پھر قدم ملاکر آگے آتے ہیں۔ درمیان میں رُک رُک کر وہ پھر جھکتے ہیں۔ اس کے بعد حلف اٹھایا جاتا ہے۔ رجسٹر میں دستخط کئے جاتے ہیں۔ اور نیا ممبر اسپیکر سے مصافحہ کرتا ہے۔ بل پر غور کرتے وقت پورا ایوان ایک کمیٹی بن کر ایک ایک دفعہ پر غور کرتا ہے۔ اسپیکر اپنی کرسی چھوڑ دیتا ہے اور ایک اور شخص اسکی جگہ صدارت کے فرائض انجام دیتا ہے۔ سرجنٹ ایٹ آرمز جو عموماً سب کے پیچھے بیٹھتا ہے آگے آتا ہے (چلتے میں وہ تین مرتبہ جھکتا ہے)۔ اسپیکر کی میز کے قریب آکر وہ سنہری عصا اٹھاتا ہے اور اُسے میز کے نیچے نظروں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ جب کمیٹی کی کارروائی ختم ہو جاتی ہے تو اسپیکر پھر اپنی جگہ آ بیٹھتا ہے اور سرجنٹ ایٹ آرمز پھر عصا نکال کر میز پر رکھ دیتا ہے۔

باب ۷

سیاسی پارٹیاں

پارٹیوں کی اہمیت سیاسی پارٹیاں جمہوری نظام حکومت میں ضروری جزو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان سے کئی طرح کے فائدے ہوتے ہیں۔ اوّل ہم رائے افراد مشترک اصولوں اور حکمت عملیوں کو عملاً کامیاب بنانے میں کوشاں ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہمرائے افراد حکومتی عہدوں کے امیدواروں میں سے ان عہدیداروں کو ہم آہنگی کیساتھ انتخاب کرتے ہیں جو ان کے اصولوں کے حامی ہوتے ہیں۔ تیسرے پارٹیاں اپنے اپنے اصولوں کا پروپیگنڈا کرتی ہیں۔ یوں عوام مسائلِ وقت اور ان کی پیچیدگیوں سے باخبر رہتے ہیں۔

پارٹی کی تنظیم کے معاملہ میں پارٹی کی رہبری کو بڑی نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے پارٹی لیڈر کے انتخاب کا معاملہ نہ صرف پارٹی بلکہ ساری قوم کی لئے اہم ہوتا ہے۔ تاہم پارٹی لیڈر کے انتخاب کا کوئی معیّنہ طریق نہیں ہے۔ بالعموم وہی افراد اپنی پارٹیوں کے لیڈر مان لئے جاتے ہیں جو اپنے آپ کو اپنی پارٹی کے لئے ناگزیر ثابت کردیں۔ وزیراعظم دورانِ وزارت میں پارٹی کا لیڈر رہتا ہی ہے اور جب ایوان میں وہ بذاتِ خود نہیں بیٹھتا اس میں اپنی پسند کے آدمی کو اپنا کام سونپ دیتا ہے۔ سابق وزیراعظم اس وقت مسلّمہ طور پر اپنی پارٹی کا لیڈر سمجھا جاتا ہے جب اس کی پارٹی حکومت کی مخالف ہو

پارٹی لیڈر کے اختیارات بہت وسیع ہیں۔ جو اعلانات وہ شائع کرتا ہے پارٹی کے اعلانات سمجھے جاتے ہیں۔ اور پارٹی ان اعلانوں کے مواعید کے ایفا کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ پارٹی کا پروگرام بھی پارٹی لیڈر ہی پیش کرتا ہے۔ ہر معاملہ میں اس کی رائے یا وکالت پارٹی کی رائے یا وکالت سمجھی جاتی ہے۔ یہ طرزِ عمل زیادہ تر قدامت پسند پارٹی کا ہے۔ باقی دونوں پارٹیاں آخری فیصلہ اپنے ہی ہاتھوں میں رکھتی ہیں۔ پارٹی لیڈر پارٹی سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ یوں انکی مطلق العنانی پر پابندی عائد ہو جاتی ہے۔

سیاسی پارٹی اور کابینہ کا تعلق

انگلستان کی دستوری حکومت تمام تر پارٹیوں پر مبنی ہے۔ یہ کابینہ کی حکومت ہے اور کابینہ کیلئے وزیروں کا انتخاب ہمیشہ اکثریت رکھنے والی پارٹی سے ہوتا ہے۔

برسرِ اقتدار پارٹی کی اکثریت کا دار و مدار بھی اسی پر ہے کہ ہم خیال افراد مشترک اصول کے لئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں ایک جھنڈے تلے جمع رہیں۔ انگلستان میں فی الاصل برسرِ اقتدار پارٹی ہی ملک پر حکومت کرتی ہے۔ کابینہ کے وزرا حکومت کے ذمہ دار افسر ہونے کے ساتھ ہی برسرِ اقتدار پارٹی کے لیڈر بھی ہوتے ہیں۔ ان وزرا کے احساسِ ذمہ داری کو بیدار رکھنے کا کام مخالف حکومت پارٹی کرتی ہے۔

دو پارٹیوں کا وجود ناگزیر اور مسلّم سمجھا جاتا ہے۔ یہ دونوں پارٹیاں اس قدر قوی ہوتی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پارٹی تنہا نظامِ حکومت سنبھال لیتی ہے۔ اسی بنا پر سیاسیئین یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ میدانِ سیاسیات میں دو سے زیادہ پارٹیاں نہیں ہونی چاہئیں۔ ورنہ ہر پارٹی اپنی جگہ اس قدر قوی

نہیں رہیگی کہ ذمہ داری کیساتھ تنہا نظام حکومت سنبھال سکے۔

پارٹیوں کا آغاز

یہ معلوم کرنا کچھ آسان نہیں ہی کہ انگلستان میں سیاسی پارٹیوں کا آغاز کب ہوا۔ لارڈ میکالے کا تو یہ خیال تھا کہ اوّلین سیاسی پارٹیاں کیولیئر (Cavalier) اور راؤنڈ ہیڈز (Roundheads) تھیں۔ مگر اس امر پر اکثر مورخین کا اتفاق ہی کہ پہلی دو پارٹیاں وھگز (Whigs) اور ٹوریز (Tories) تھیں جو چارلز دوم کے عہد میں ظہور پذیر ہوئیں۔ پہلی پارٹی مذہبی رواداری اور نظام حکومت میں پارلیمنٹ کی بالادستی کی حامی تھی۔ دوسری بادشاہ کے اختیارات میں کمی کی مخالف تھی۔ ولیم دوم نے پہلے تو دونوں پارٹیوں کے اشتراکِ عمل پر اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔ مگر جب یہ پالیسی کامیاب نہ ہوئی تو اس نے وھگ پارٹی کو اپنا معتمد بنالیا۔ ملکہ این کے سر پر آرائے سلطنت ہونے پر وھگ پارٹی کو زوال ہوگیا اور ٹوری پارٹی برسرِ اقتدار آگئی۔ مگر جارج اوّل کے زمانہ میں وھگ پارٹی نے اپنے مخالفوں کو پھر کرسئی وزارت سے دھکیل دیا۔ اور سنہ ۱۷۱۴ء سے لیکر سنہ ۱۷۶۰ء تک اسی کا طوطی بولتا رہا۔

اٹھارویں صدی میں

انقلاب فرانس کے زمانہ میں تمام وقت تک زمام حکومت ٹوریوں کے ہاتھوں میں رہی مگر لارڈ لیورپول کے ایام وزارت (سنہ ۱۸۱۲ء تا سنہ ۱۸۲۷ء) میں ان کا اقتدار کم ہونے لگا۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کی وزارت کے مستعفی ہوجانے پر ٹوریوں کے اس پنجسالہ اقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔ اور سنہ ۱۸۳۰ء سے سنہ ۱۸۷۴ء تک وھگ پارٹی کی طاقت عروج پکڑتی رہی۔ اس دور کے پہلے حصے (۱۸۳۰ تا ۱۸۴۱ء) میں برسرِ اقتدار پارٹی نے متعدد سیاسی اصلاحات رائج کیں اور اپنا نام وھگ

کی جگہ لبرل (اعتدال پسند) رکھ لیا۔ اسی طرح ٹوری خود کو کنسرویٹو (قدامت پسند) کہنے لگے۔ ۱۸۴۰ء میں اعتدال پسندوں کو انتخابات میں شکست ہو گئی اور ۱۸۴۱ء سے لیکر ۱۸۴۶ء تک قدامت پسند برسر اقتدار رہے۔ ۱۸۴۷ء میں قدامت پسندوں کے آپس کے اختلاف رائے سے فائدہ اٹھاکر لارڈ جان رسل کی قیادت میں اعتدال پسندوں نے پھر حکومت پر قبضہ کرلیا۔ ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۹ء تک کا وزارت کے ہیر پھیر کا زمانہ ہے۔ رسل اور وزیر خارجہ مسٹر پامرسٹن کے درمیان اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے اور ۱۸۵۲ء میں قدامت پسندوں نے ان سے وزارت چھین لی۔ ۱۸۵۳ء میں مشترکہ وزارت قائم ہو گئی۔ ۱۸۵۵ء میں لارڈ پامرسٹن کی قیادت میں اعتدال پسند پھر برسر اقتدار آ گئے مگر خارجی پیچیدگیوں نے ۱۸۵۸ء میں اسے مستعفی ہونے پر مجبور کیا۔ ایک برس کے لئے پھر قدامت پسندوں کا راج ہو گیا مگر دوسرے برس پامرسٹن پھر وزیر اعظم بنا۔ ۱۸۵۹ء سے لیکر ۱۸۶۵ء تک اعتدال پسندوں کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ اب وہ زیادہ وسیع النظر بن گئے۔ وہ پارلیمنٹ کے لئے حق رائے دہی کو زیادہ وسیع تر کرنا چاہتے تھے اور عوام کی بہتری کے خواہاں تھے۔ قدامت پسند بھی حق رائے دہی میں اصلاح کے حق میں تھے مگر وہ اس سے زیادہ آئین سازی پر زور دیتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ برطانوی مفاد کو دنیا کے مختلف گوشوں میں پھلتا پھولتا دیکھنے کے آرزومند تھے۔ مختصر یہ کہ اعتدال پسند آزادی پر زور دیتے تھے اور قدامت پسند نظام اور قوت کے حامی تھے۔ ۱۸۶۶-۶۸ء کا دو سالہ دور تو قدامت پسندوں کی وزارت کا ہے مگر ۱۸۶۸ء سے لیکر ۱۸۷۴ء تک گلیڈ اسٹون کی وزارت نے بڑی اہم اصلاحات کیں۔ ۱۸۷۴ء میں اس وزارت کو شکست ہو گئی۔ اور قدامت پسندوں نے پچاس نشستوں کی نمایاں اکثریت سے

وزارت سنبھالی۔ اس وزارت کی پنجسالہ مدت میں برطانوی سامراج کو بڑی ترقی ہوئی۔ گلیڈ اسٹون کی رائج کردہ اصلاحات کو بالکل تو کالعدم نہیں کیا جا سکا مگر قدامت پسند خارجہ اور نوآبادیاتی مسائل ہی میں الجھے رہے۔

سنہ ۱۸۸۰ء میں اعتدال پسندوں نے سو نشستوں کی اکثریت حاصل کرکے ان سے وزارت چھین لی۔ اس کے بعد کے پچاس سال میں آئرلینڈ کے لئے ہوم رول کا مسئلہ برطانوی سیاسیات کا مرکزی مسئلہ بنا رہا۔ گلیڈ اسٹون نے ابتداء میں اس مسئلہ سے بے توجہی کا رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ اس پر آئرش قوم پرستوں نے قدامت پسندوں سے اتحاد کرکے اس کی وزارت کو توڑ دیا۔ مگر جو قدامت پسند وزارت قائم ہوئی وہ سنہ ۱۸۸۵ء کے انتخابات میں ہار گئی اور گلیڈ اسٹون پھر برسرِ اقتدار آگیا۔

سنہ ۱۸۸۶ء میں گلیڈ اسٹون نے پہلا آئرش ہوم رول بل پیش کیا۔ مگر دوسری خواندگی میں پارلیمنٹ نے اُسے ٹھکرا دیا۔ اس پر ایک قومی انتخاب ہوا اور نتیجہ یہ نکلا کہ قدامت پسند برسرِ اقتدار آگئے۔ ہوم رول کا مسئلہ اب بھی زندہ تھا۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں اعتدال پسند پھر حکومت سنبھال بیٹھے۔ کیونکہ ملک ہوم رول کے مطالبے کے حق میں تھا۔ سنہ ۱۸۹۳ء میں گلیڈ اسٹون نے دوسرا آئرش ہوم رول بل پیش کیا۔ یہ بل اپنے پیش رَو سے اس بات میں مختلف تھا کہ آئرلینڈ والوں کو برطانوی پارلیمنٹ میں نمائندگی سے محروم نہیں کیا گیا تھا۔ دارالعوام نے اس بل کو منظور کر لیا مگر دارالامرا نے اسے مسترد کر دیا۔ گلیڈ اسٹون بددلی اور درماندگی کے عالم میں پبلک لائف سے علیحدہ ہو گیا۔

لارڈ روزبری جو وزیر خارجہ تھا وزیراعظم بنا مگر ماہ جون سنہ ۱۸۹۵ء میں وزارت کو شکست ہو گئی اور قدامت پسند پھر برسرِ حکومت آ گئے۔ پہلے آئرش ہوم رول

.ل پر جوزف چیمبرلین گلیڈ اسٹون سے علیحدہ ہوگیا تھا اور وہ اور اس کے ساتھی خود کو یونینسٹ (اتحادی) کہنے لگے تھے۔ قدامت پسندوں نے اعتدال پسندوں کے اُن اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو گلیڈ اسٹون کی علیحدگی کے بعد نمودار ہوئے، یونینسٹوں کو اپنے ساتھ ملالیا۔

اس کے بعد ہر چند ۱۹۰۲ء میں اعتدال پسند وزیر اعظم لارڈ لانسبری ریٹائر ہوا اور اس کی جگہ بالفور وزیر اعظم بنا مگر پارٹی کے لائحہ عمل میں کوئی تبدیلی رو نما نہیں ہوئی۔ اعتدال پسندوں کی عظمت کا چراغ برابر بجھتا رہا۔ انھوں نے ۱۹۰۰ء کے عام انتخاب کے موقع پر حکومت پر یہ الزام لگایا کہ وہ ملک کے اندرونی معاملات کی طرف سے لاپرواہ ہے اور جنگ افریقہ میں غیر ضروری طور پر قوت صرف کر رہی ہے۔

مگر اعتدال پسند اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے تاہم جب ۱۹۰۳ء میں جوزف چیمبرلین نے غذائی اشیاء کی درآمد پر ترجیحی محاصل لگانے کی اسکیم چلائی اور اس پر یونینسٹ پارٹی میں افتراق رونما ہوگیا تو اعتدال پسندوں کو مخالفت کا موقع ہاتھ آیا اور انھوں نے حکومت کے وقار کو متزلزل کردیا۔ ویسے بھی عوام حکومت کی طرف سے بددل ہو رہے تھے کیونکہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ حکومت ملک کے اندرونی معاملات پر بالکل توجّہ نہیں دیتی۔

مخالفت کی ہوا سے قدامت پسند حکومت کے وقار کا دیا بالآخر ٹمٹما کر گُل ہوگیا اور مسٹر بالفور نے ۴ دسمبر ۱۹۰۵ء کو استعفےٰ دے دیا۔ اعتدال پسند لیڈر کیمپبل بینرمین وزیر اعظم نامزد ہوا۔ پارلیمنٹ توڑ دی گئی اور قومی انتخابات کی جد وجہد شروع ہوئی۔ جس میں اعتدال پسندوں کو بڑی زبردست کامیابی نصیب ہوئی۔ ۱۹۰۶ء سے لیکر ۱۹۱۵ء تک (جب جنگِ عظیم کی ضروریات کی بنا پر مشترکہ

وزارت بنانے کی ضرورت پڑی، اعتدال پسندوں کا اقتدار قائم رہا اور انہوں نے متعدد مفید مجلسی اور اقتصادی قوانین بنائے۔ ان کے بعض قوانین کی دارالامرا کی قدامت پسند اکثریت نے مخالفت کی، اسی لئے اعتدال پسند وزارت اور دارالامرا کے درمیان بڑی کش مکش رہی۔

یاد رہے کہ ۱۹۰۶ء سے لیکر ۱۹۱۶ء تک کا دور جدید برطانیہ کی سیاسی تاریخ میں اس لئے بہت ہی اہم سمجھا جاتا ہے کہ اعتدال پسندوں نے اس زمانہ میں قومی قرضے میں کوئی اضافہ نہ ہونے دیا۔ اور جنگ افریقہ کی وجہ سے عائد کئے ہوئے محصولات منسوخ کر دیے۔ انھوں نے افواج کی از سر نو تنظیم کی وہ آزاد تجارت کے اصول کے حامی تھے۔ آئرش ہوم رول کی طرف انھوں نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ مگر دو ایسے قوانین بنائے جو آئرلینڈ والوں کے مفاد کیلئے بہت ہی بکار آمد سمجھے گئے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھوں نے سوشل قوانین وضع کرکے قوم کا ایک مطالبہ پورا کیا۔ پارلیمنٹ ایکٹ کے ذریعہ سے جب اعتدال پسند وزارت نے آئین سازی کے معاملہ میں دارالامرا کے پنجے سے گلو خلاصی حاصل کرلی تو اب اسے بھی اپنی توجہ اصلاحات کی طرف پھیرنیکا موقع ملا۔ کل پروگرام تو زیر عمل نہیں آسکا۔ کیونکہ ۱۹۱۵ء میں جنگ عظیم شروع ہوگئی اور حکومت کی ساری قوت اس میں صرف ہونے لگی ہتاہم مزدوروں کے تحفظ، آئرش ہوم رول اور اصلاح زراعت ہی جیسے اہم امور پر مفید قوانین بن ہی گئے۔

جنگِ عظیم شروع ہونے سے پہلے ۱۹۱۴ء میں چار پارٹیاں برطانوی سیاسیات میں اہمیت رکھتی تھیں۔ آئرش نیشنلسٹ پارٹی کا مطمح نظر آئرلینڈ کیلئے ہوم رول حاصل کرنا تھا۔ لیبر پارٹی ٹریڈ یونینوں کے ممبروں پر مشتمل

تھی۔ اور اس کا مقصد عظمیٰ مزدوروں کے حقوق کی رکھوالی کرنا تھا۔ باقی دو پرانی پارٹیاں اعتدال پسند اور قدامت پسند یا یونینسٹ حسب سابق اپنی حکمت عملیوں اور اصولوں کے لحاظ سے قوم پرست تھیں۔

ملک لبرلوں اور قدامت پسندوں میں برابر برابر منقسم تھا۔ قدامت پسند پارٹی میں خطاب یافتہ لوگ امرا، پادری، یونیورسٹی کے اکثر گریجویٹ۔ وکلا دولت مند تاجر، اہل صنعت اور زردار لوگ، اکثر کلرک، کل ملک کے آدھے دکاندار اور کام پیشہ لوگ تھے۔ (گو موخر الذکر کی زیادہ تعداد روز بروز لیبر پارٹی کی طرف جا رہی تھی)، اعتدال پسند پارٹی میں اوسط طبقے کے لوگ اور کام پیشہ افراد تھے۔ کُل ملک کے مزدوروں کی نصف تعداد اعتدال پسند پارٹی کی ہمنوا تھی (گو لیبر پارٹی ان میں سے بھی اکثر لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی) یہ پارٹی سنہ ۱۹۰۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں پلی متھ کے مقام پر جو ٹریڈ یونین کانگریس منعقد ہوئی تھی اس نے مزدوروں کے نمائندوں کی ایک جماعت بنائی تاکہ پارلیمنٹ میں مزدوروں کی وسیع تر نمائندگی کے مسائل ڈھونڈے جائیں اس جماعت نے جو ۱۲۹ ڈیلیگیٹوں پر مشتمل تھی سنہ ۱۹۰۰ء میں لندن میں اپنا ایک اجلاس کر کے ایک آرگنائزیشن بنائی جس کا مقصد پارلیمنٹ میں ایک لیبر پارٹی بنانا تھا۔ یہ آرگنائزیشن دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی گئی۔ سنہ ۱۹۰۶ء کی انتخاب میں لیبر پارٹی کے ٹکٹ پر پچاس امیدوار کھڑے ہوئے اور ان میں سے ۲۹ کامیاب ہو گئے۔ اس شاندار فتح کے بعد صحیح معنوں میں لیبر پارٹی بن گئی۔ سنہ ۱۹۱۰ء تک لیبر پارٹی گھٹتی بڑھتی رہی۔ کبھی اس کی اعدادی طاقت ۵۲ ہوتی تھی کبھی ۴۵ گو اس عرصہ میں بھی اس نے بعض ایسے قوانین کی وکالت کی جن کا اثر مزدوروں اور کام پیشہ لوگوں کی حالت پر خوشگوار پڑتا تھا مگر سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد جب لبرلوں

کی اکثریت میں خلل واقع ہوا اور انھیں لیبر پارٹی کی امداد کی ضرورت پڑی تو لیبر پارٹی نے اپنی کم اعدادی طاقت کے باوجود بھی بڑی قوت حاصل کر لی۔ اور اس کے بل پر ایسے قانون نافذ کرائے جو مزدور طبقوں کیلئے ازبس مفید تھے۔

جس وقت جنگ عظیم شروع ہوئی، برطانوی سیاسیات کی یہ صورت تھی کہ لبرل برسرِ اقتدار تھے اور ایسکوئتھ وزیر اعظم تھا۔ ہر چند حامیانِ حکومت بلحاظ تعداد یونینسٹوں کے مقابلہ میں دار العوام میں کمزور تھے مگر آئرش نیشنلسٹوں اور مزدور پارٹی کی مدد سے وہ حکومت کر رہے تھے۔ عام انتخاب میں صرف پندرہ ماہ رہ گئے تھے اور ضمنی انتخابات کے نتائج سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ یونینسٹ ملک میں اپنا کھویا ہوا اعتبار حاصل کر چکے ہیں اور آئندہ انتخابات میں ان کی جیت کا امکان ہے۔ آئرلینڈ میں ہوم رول بل کی دفعات کے سلسلہ میں آپس میں شدید اختلافات رونما تھے۔

حق رائے دہی کے لئے عورتیں بڑا سخت ایجی ٹیشن کر رہی تھیں۔ اور ارباب اختیاران کے ہاتھوں پریشان تھے۔ منظم مزدور بے چینی کا اظہار کر رہے تھے اور جا بجا ہڑتالیں ہو رہی تھیں۔ مگر جونہی جنگِ عظیم شروع ہوئی اور برطانیہ اس میں شریک ہوا تمام اندرونی جھگڑے طے کر کے طاقِ نسیاں کے حوالہ کر دئے گئے۔ ۳۰ جولائی ۱۹۱۴ء کو وزیر اعظم نے دار العوام میں اعلان کیا کہ جماعتی کش مکش جنگ ختم ہونے تک بند کیجاتی ہے اور ملک کے مفاد کی تحفظ کیلئے سب پارٹیاں مل کر کام کریں گی۔ مگر ایک ہی پارٹی کے ماتحت کام کرنا برطانیہ کی دستوری روایات کے خلاف تھا۔ چنانچہ مئی ۱۹۱۵ء میں ایک مشترکہ وزارت ترتیب دی گئی۔ لبرل وزیر اعظم کو اس کے عہدہ پر برقرار رکھا گیا۔ باقی وزارتی عہدوں میں سے بارہ لبرلوں، آٹھ یونینسٹوں اور

ایک لیبر پارٹی کو دیا گیا۔

مگر پھر ضرورتاً دسمبر ۱۹۱۶ء میں صرف پانچ ممبروں کا ایک جنگی کابینہ (War Cabinet.) بنا دیا گیا جس میں مسٹر لائڈ جارج (وزیر اعظم) لارڈ کرزن (صدر کونسل) لارڈ ملز اور مسٹر ہینڈرسن (وزرائے بے قلمدان) اور مسٹر لا (چانسلر) شامل تھے۔ اس کابینہ میں تین وزیر یونینسٹوں میں سے تھے۔

یہ رنگ دیکھ کر ۱۹۱۶ء میں دارالعوام میں ایک مخالف پارٹی بن گئی جسکا لیڈر سابق وزیر اعظم ایسکوئتھ تھا۔ لیبر پارٹی بھی علیحدہ ہو کر کام کرنے لگی۔ اور جب جنگِ عظیم کے بعد صلح کی گفت و شنید شروع ہوئی تو برطانوی پارلیمنٹ میں جماعتی کش مکش کا ہنگامہ اسی طرح گرم تھا جس طرح جنگ عظیم سے قبل گرم رہتا آیا تھا۔ اور ۱۹۱۸ء کے انتخابات بڑے زوروں پر لڑے گئے۔ ان انتخابات کا فیصلہ کُن بنیادی مسئلہ وہی آئرلینڈ ہوم رول بل کے پیش ہونے کا سوال تھا جو جنگِ عظیم کی وجہ سے دب گیا تھا اور اب دوبارہ پوری قوت سے اُبھر آیا

مگر سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ آیا تازہ انتخابات کی ضرورت ہے بھی یا نہیں مشترکہ حکومت کا یہ مطالبہ تھا کہ صلح کانفرنس میں وہ متحدہ قوم کی نمائندہ بنکر جانا چاہتی ہے اور اس لئے نئے انتخابات کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ قوم کو اس پر اعتماد ہے یا نہیں۔ پُرانے اعتدال پسند جن کا لیڈر ایسکوئتھ تھا اس مطالبے کے مخالف تھے۔ وہ کہتے تھے کہ حکومت نے لڑائی جیت لی ہے اور کوئی اس کا یہ حق نہیں چھین سکتا کہ وہ جس طرح چاہے صلح کی بات چیت کرے۔ اس کے لئے نئے انتخابات کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ تین ملین فوجی یورپ کے میدانِ جنگ میں پڑے ہیں، وہ نئے

انتخابات میں رائے نہ دے سکیں گے۔ مزدور پارٹی بھی نئے انتخابات کی مخالف تھی
حکومت کہتی تھی کہ پارلیمنٹ پرانی ہو چکی ہے، ۱۹۱۶ء کے بعد سے تین مرتبہ اس نے
اپنے فیصلوں سے ایزادی کر لی ہے، اب ان وسیع تر معاملات کا حل سوچنے کیلئے
جو اس وقت ملک کے سامنے ہیں اسے نئے انتخابات کے ذریعے سے حیات تازہ
حاصل کرنی چاہئے اور صلح کانفرنس میں برطانیہ کے جو وکیل جائیں انھیں اس کا احساس
ہونا چاہیئے کہ ہماری پُشت پر ایک نمائندہ دارالعوام ہے۔ مخالفین حکومت کا کہنا
یہ تھا کہ وزیر اعظم یہ سارے جوڑ توڑ صلح کانفرنس کے لئے نہیں بلکہ آئندہ کیلئے
کر رہا ہے۔ چونکہ قوم موجودہ حکومت کو کارآمد سمجھتے ہوئے اس پر اعتماد رکھتی ہے
اس لئے وزیر اعظم اس کے اثرات سے فائدہ اٹھا کر اپنی حکومت کی مدت میں اضافہ
چاہتا ہے تاکہ اس پروگرام کو زیر عمل لا سکے جو اس نے اپنے یونینسٹ مددگاروں
کے مشورے سے مرتب کیا ہے۔ ۲۱ر نومبر کو پارلیمنٹ توڑ دی گئی اور انتخابی جدوجہد
شروع ہو گئی۔ نتائج برآمد ہوئے تو معلوم ہوا کہ کل ۷۰۷ نشستوں میں سے ۴۷۲
مشترکہ حکومت کو ملی ہیں اور ایسکویتھ کی پارٹی کو صرف ۲۶ر خود ایسکویتھ کو اس
حلقہ میں شکست ہو گئی جہاں سے وہ ۱۸۸۶ء سے مسلسل کامیاب ہوتا چلا آرہا تھا،
مزدور پارٹی کو البتہ کچھ تقویت پہونچی۔ اُسے ۵۹ نشستیں مل گئیں۔ تاہم اس کے
بھی تین قابل ترین لیڈروں رامزے میکڈانلڈ، فلپ سنوڈن اور آرتھر ہنڈرسن
کو شکست ہو گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ مشترکہ حکومت پر قوم کو اعتماد ہے۔

نومبر ۱۹۲۳ء کے انتخابات میں لیبر پارٹی کو بہت زیادہ نشستیں حاصل
ہوئیں اور ان کے لیڈر رامزے میکڈانلڈ نے ۲۲ر جنوری ۱۹۲۴ء کو کابینہ
مرتب کیا۔ یہ شخص برطانیہ کا پہلا سوشلسٹ وزیر اعظم تھا۔ مگر لیبر پارٹی کی پارلیمنٹ
میں کوئی نمایاں اکثریت نہیں تھی۔

قدامت پسند لیبر حکومت کی اس روش سے ناراض تھے جو اس نے روس کے ساتھ اختیار کر رکھی تھی۔ اور وہ بالشویکوں سے صلح کرنا ملک کے لئے مضر سمجھتے تھے انھوں نے ایک خفیہ دستاویز شائع کر دی جو تاریخ میں "زینو ویف لیٹر" کے نام سے مشہور ہے۔ اس خط میں انگلستان کے اندر بغاوت کی آگ بھڑکانے کی ہدایات تھیں۔

اس مسئلہ پر رائے شماری ہوئی تو حکومت ہار گئی۔ پارلیمنٹ توڑ دی گئی اور میکڈانلڈ نے ملک سے اپیل کی کہ لیبر پارٹی کے امیدواروں کو بکثرت منتخب کر کے لیبر پارٹی پر اظہار اعتماد کیا جائے۔ مگر جب انتخابات ہوئے تو یہ نتیجہ نکلا کہ لیبر پارٹی کو پہلے کی بہ نسبت کم نشستیں حاصل ہوئیں اور رامزے میکڈانلڈ نے نومبر ۱۹۲۴ء میں وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دیدیا۔ مگر سنہ ۱۹۲۶ء کے جنرل اسٹرائیک نے لیبر پارٹی کو ملک میں پھر ہر دلعزیز بنا دیا۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں رامزے میکڈانلڈ نے دوسری دفعہ لیبر وزارت مرتب کی۔ اسی سال وزیر اعظم نے امریکہ اور کینیڈا کا دورہ کر کے برطانیہ امریکہ اور کینیڈا کی بحری طاقت میں تخفیف کے مسئلہ پر ان ملکوں کے پریزیڈنٹوں سے بات چیت کی۔ وزیر اعظم کے اس فعل پر مخالف پارٹی کے لیڈر مسٹر بالڈون نے بھی دارالعوام میں خراج تحسین ادا کیا۔ وزیر اعظم کے اس دورہ سے لندن بحری کانفرنس (سنہ ۱۹۳۰ء) کے لئے راستہ ہموار ہو گیا۔ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء میں وزیر اعظم کی زیر صدارت امپیریل کانفرنس ہوئی۔ اور سنہ ۱۹۳۰ء کے اخیر میں میکڈانلڈ گو انڈیا راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا صدر بھی چنا گیا۔ لیبر وزارت کے زوال سے پہلے گورنمنٹ آف انڈیا بل کی تیسری خواندگی بھی ہو گئی۔

مگر سنہ ۱۹۲۹ء میں اقتصادی حالات کی بنا پر رائے عامہ لیبر پارٹی کی خلاف

ہو گئی اور ۲۴ راگست کو ایک مشترکہ قومی وزارت بنائی گئی جس میں رامزے میکڈانلڈ وزیر اعظم، بالڈون لارڈ پریذیڈنٹ، سنوڈن چانسلر آف ایکسچکر اور سر ہربرٹ سیموئل ہوم سکریٹری بنائے گئے۔

یہ حکومت اقتصادی نزاکت کی روک تھام کے لئے بنائی گئی تھی اور صحیح معنوں میں مشترکہ وزارت نہیں بلکہ کوآپریٹیو (Co-operative) وزارت تھی۔ مگر عملاً وزارت کو مختلف عناصر ہوتے ہوئے بھی بڑی ہم آہنگی سے کام لینا پڑا۔

فری ٹریڈ (آزاد تجارت) کی طرف سے ملک نے نظر پھیر لی۔ زراعت جہازرانی آہن سازی وغیرہ کی تنظیم کی گئی۔ غریبوں کو امداد دینے کا سسٹم بالکل بدل دیا گیا۔ غریب بستیوں کی صفائی کی جدّ وجہد شروع کی گئی۔ بیرونی ممالک سے بہت سے کامیاب تجارتی معاہدے بھی ہوئے۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں امریکہ کا دورہ کرنے سے وزیر اعظم کو لندن میں اقتصادی کانفرنس بلانے میں مدد ملی جینوا کی تخفیف اسلحہ کانفرنس، پیرس کانفرنس، لوزان کانفرنس روم کانفرنس اور سٹریسہ کانفرنس کی بھی وزیر اعظم نے صدارت کی۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں قومی حکومت نے مشہور وائٹ پیپر شائع کیا۔ یہ پالیسی طے پائی کہ تخفیف اسلحہ کے لئے خود برطانیہ کو اپنے اسلحہ جات گھٹا کر مثال قائم کرنیکی ضرورت نہیں اور ڈیفنس کے لئے مسلح ہونے پر اضافی اخراجات ملتوی نہیں کئے جا سکتے مئی سنہ ۱۹۳۵ء میں حکومت نے ہوائی بیڑہ میں اضافہ کیا۔ جون سنہ ۱۹۳۵ء میں میکڈانلڈ وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہو گیا۔ کیونکہ اسے آرام کی ضرورت تھی اور بالڈون نے اس کی جگہ لے لی۔ اس استعفیٰ میں خیالات یا پالیسی کے اختلافات کام نہیں کر رہے تھے۔ وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دینے کے بعد بھی وہ لارڈ

پریذیڈنٹ آف کونسل بنا رہا ۱۹۳۵ء کے آخر تک بالڈون کی مشترکہ حکومت کام کرتی رہی۔ جب بالڈون کو بھی خرابی صحت کی وجہ سے ریٹائر ہونا پڑا تو اس کی جگہ نیوائل چیمبرلین نے مشترکہ حکومت کی وزارتِ عظمیٰ سنبھال لی۔

پارٹیوں کی انتخابی سرگرمیاں

انتخابات میں سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے امیدواروں کیلئے جو زبردست جدوجہد کرتی ہیں وہ یقیناً دلچسپی سے پڑھے جانے کے لائق ہے۔

انتخاب کی خبر ملتے ہی پارٹیوں کے لیڈر اپنی یادداشتوں کی ورق گردانی شروع کر دیتے ہیں۔ ہر انتخابی حلقے میں دو تین پارٹیوں کے مقامی دفتر ہوتے ہیں۔ جیسے کنزرویٹو ایسوسی ایشن، لیبر آرگنائزیشن یا لبرل کلب، انتخاب کی خبر پاتے ہی ہر پارٹی اپنی انتخابی مشینری کو حرکت میں لاتی ہے۔ مددگاروں کو منظم کیا جاتا ہے تقریروں کے لئے ہال ریزرو کرائے جاتے ہیں۔ سارے ضلع میں کمیٹی روم (مقامی دفتر کی شاخیں) کھولے جاتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں ہینڈ بل اور پوسٹر چھپوانے کی تیاریاں ہونے لگتی ہیں۔ ہر انتخابی حلقے میں پارٹیوں کے تنخواہ دار آرگنائزر اور ایجنٹ موجود رہتے ہیں۔ کل حلقے بہت سے وارڈوں میں بانٹ دئے جاتے ہیں۔ اور ہر وارڈ کی رائے عامہ کے رجحانات کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے انتخابی سرگرمیاں شروع ہوتے ہی یہ ریکارڈ دیکھا جاتا ہے تاکہ موافق یا مخالف امکانات کا اندازہ ہو سکے۔

انتخابی مہم کے تین بڑے ہتھیار ہیں (۱) کنویسنگ یعنی رائے عامہ تیار کرنا۔ (۲) لٹریچر بانٹنا اور (۳) جلسے کرنا۔

کنویسنگ کرنیوالوں کو حلقے میں ہر گھر پر جا کر ووٹروں سے ملاقات کرنی پڑتی ہے۔ ہر ایجنٹ سارے حلقے کا جس میں اندازاً دس ہزار سے تیس ہزار یا پچیس ہزار

سے اسی ہزار تک مکانات ہوتے ہیں کم از کم ایک دفعہ ضرور دورہ کرآتا ہے۔ گھر گھر پھرنا ہوتا ہے۔ امیدوار خود بھی پھرتا ہے۔ جلسوں وغیرہ سے جو وقت بچتا ہے وہ اسے ادھر صرف کرنا ہوتا ہے۔

کنویسروں کے کام کے سلسلے میں بہت سے دلچسپ واقعات مشہور ہیں ایک دفعہ انگلستان کے مشہور طنز نگار جی کے چیسٹرٹن مرحوم سومرسیٹ کے علاقہ میں ایک لبرل امیدوار کیلئے کنویسنگ کرتے پھرتے تھے۔ ایک مکان کے دروازے پران کی ایک قوی الجثہ عورت سے مڈبھیڑ ہوئی جس سے آنکھیں ملاتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ جب چیسٹرٹن نے اس کے شوہر سے ملنے کا عندیہ ظاہر کیا تو بولی "میں تو ہوں ہی لبرل۔ رہا میرا شوہر۔ وہ قدامت پسند ہے۔ آپ کو اس سے ملنے کی ضرورت نہیں۔ میں دو مرتبہ پہلے بھی شادی کر چکی ہوں۔ اور میرے دونوں شوہر کنسرویٹو تھے۔ مگر میں نے ان کو لبرل بنالیا (انگوٹھے کو کندھے کے پیچھے کی طرف جھٹکا دے کر گھر کے اندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) الیکشن کے وقت تک میں اسے بھی تیار کرلوں گی۔" چیسٹرٹن کا بیان ہے کہ اس جادو کے محل میں جہاں کنسرویٹو مادے سے لبرل بنائے جاتے تھے مجھے داخل ہی نہیں ہونے دیا گیا۔

اسی طرح چیسٹرٹن نے اپنی خود نوشت سوانحعمری میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ مجھے چارلز ماسٹر مین کے ساتھ ایک حلقہ میں کنویسنگ کیلئے جانیکا اتفاق ہوا۔ جب ہم دونوں ایک بازار میں کام کرنے نکلے تو میرا ساتھی تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنا کام ختم بھی کرآیا مگر میں اس وقت تک ایک ہی مکان میں صاحب خانہ سے حکومت کے فلسفہ پر بحث کرتا رہا۔ مجھے یہ غلط فہمی تھی کہ کنویسنگ کی غایت لوگوں کی ذہنیت تبدیل کرنا ہے حالانکہ اصل میں کنویسنگ کا مقصد

اپنے طرفداروں کا شمار کرنا ہوتا ہے۔

چیسٹرٹن کے اس قول میں کافی صداقت ہے۔ پارٹیوں کے مقامی دفتروں میں تمام ووٹروں کے نام اور پتے درج ہوتے ہیں۔ کنویسنگ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ ہر کنویسر ناموں کی ایک تعداد اپنے ذمّے لے لیتا ہے اور پھر رپورٹ کرتا ہے کہ ان کے متعلق کیا اندازہ ہے۔ اگر حالات موافق ہوں تو پہلا مرحلہ الیکشن سے دس دن پہلے ختم ہو جاتا ہے۔ ذمہ دار لوگوں کو اس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ آیا ہمیں فیصلہ کن فتح ہوگی یا شکست یا برابر کا مقابلہ ہے۔ اگر برابر کا مقابلہ ہو تو جدّ وجہد میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ لندن سے مدد منگائی جاتی ہے۔ لٹریچر زیادہ تعداد میں چھپوایا جاتا ہے۔ خوش بیان پارٹی لیڈروں کو تقریروں کے لئے بلایا جاتا ہے۔ یہ کنویسنگ کا دوسرا مرحلہ ہے۔ الیکشن سے صرف ایک یا دو دن پہلے اس کا کام ختم ہوتا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ رائے شماری کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

لٹریچر تقسیم کرنے کا کام ایسوسی ایشن کی عورت ممبروں سے لیا جاتا ہے۔ پہلے سے وہ سوشل تقریبوں کے ذریعہ اپنے اثرات جماتی رہتی ہیں۔ اور انتخاب کے موقع پر ان سے کام لیتی ہیں۔

لٹریچر بانٹنے کا کام اس طرح شروع کیا جاتا ہے کہ امیدوار اپنا پتہ قابلیت، پالیسی، کاروبار وغیرہ کی تفصیل پارٹی کو بتا دیتا ہے۔ ان باتوں کو ایک مضمون کی شکل دے کر چھپوا لیا جاتا ہے اور ڈاک کے ذریعہ ہر رائے دہندہ کو پہونچا دیا جاتا ہے۔ ڈاک خانہ ہر امیدوار کو یہ رعایت دیتا ہے کہ وہ کم از کم ایک سرکلر ہر ووٹر کے پاس بلا محصول بھیج سکتا ہے۔

صبح سے لیکر شام تک مختلف لوگ کمیٹی رومز میں بیٹھے ہوئے لفافوں پر پتے لکھ کر ڈاک کے حوالے کرتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں الیکشن کے زمانہ میں

انتخابی اخبار نکالنے کا نیا طریقہ بھی چلا ہے جسے الیکشن شیٹ کہتے ہیں۔ اس میں الیکشن کی خبریں چھاپنے کے بہانہ سے اپنے امیدوار کیلئے موثر اپیلیں کی جاتی ہیں
ایک اور نیا طریقہ یہ ہے کہ امیدواروں کی تصویریں چھپوا کر اپنے طرفداروں کے گھروں کی کھڑکیوں میں لگوادی جاتی ہیں۔ الیکشن کے دن قریب آنے پر ایک دورہ کرکے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کس جگہ کس کے طرفدار زیادہ ہیں۔
پوسٹر بھی لگائے جاتے ہیں۔ مگر پوسٹر بازی اتنا آسان کام نہیں ہے جتنا معلوم ہوتا ہے۔ پارٹیاں ایک دوسرے کے پوسٹروں پر کڑی نظر رکھتی ہیں۔ اگر کنسرویٹو پارٹی ایک ایسا پوسٹر نکالتی ہے جس میں بیکاری کے مسئلہ پر زور دیا گیا ہے تو لیبر پارٹی کے کارکن جھٹ اس کے جواب میں ایک دوسرا پوسٹر لگاتے ہیں جس میں بتایا جاتا ہے کہ بیکاری کے مسئلہ کو صرف لیبر پارٹی دور کرسکتی ہے یوں اچھی خاصی اشتہاری جنگ ہوتی رہتی ہے۔
جلسے کرنیکا کام بہت ہی مشکل ہے۔ انتخاب سے دس دن پہلے تک یہ حالت ہوتی ہے کہ امیدوار ہر شام کم سے کم تین تین جلسوں میں تقریریں کرتا ہے۔ سہ پہر کی پارٹیاں، بازاروں میں لیکچر دینا، لاؤڈاسپیکر لگی ہوئی گاڑیوں میں دورے کرنا اور سینما سلائیڈ دکھانیوالی موٹروں میں پھرنا وہ خدمات ہیں جو اسکے علاوہ ہیں۔
ایجنٹ بعض اوقات ممبری کے امیدوار سے یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ آپ کو آٹھ بجے شام اسمتھ اسٹریٹ اسکول، آٹھ بجکر ۴۵ پر جونز چرچ روم ساڑھے نو بجے جورجینز ہال، دس بجے پارک روڈ کے نکڑ پر، اور دس بجکر بیس منٹ پر کنگز ہیڈ کے سامنے آنا ہے۔ اور یاد رکھئے کہ اگر آپ نے ان میں سے کسی ایک مقام پر بھی پہنچنے میں دیر کی تو سارا پروگرام تلپٹ ہوجائے گا۔ دوسرے لفظوں میں امیدوار کو ایک ہی شام پانچ جلسے بھگتانے ہوئے۔ پھر یہ بھی ذہن

میں رکھنا چاہیئے کہ اُمیدوار بہت سے مُقرّروں میں سے ایک مقرر ہوتا ہے۔ ہر میٹنگ میں ایک صدر اور کم سے کم دو تائید کرنیوالے مُقرّروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ہر میٹنگ میں جداگانہ موئیدین ہونے چاہئیں۔ گویا تین جلسوں کیلئے نو آدمیوں کی ضرورت ہے۔ کھلے میدانوں کے جلسوں میں ایسے مُقرّر بھیجے جاتے ہیں جنھیں مجمع جمع کرنا آتا ہو۔

اس طرح ہر رات تقریباً چودہ پندرہ مُقرّر کام کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے مُقرّر حلقے کے باہر سے بلائے جاتے ہیں۔ لیکن صدر کسی ایسے آدمی کو بناتے ہیں جو مقامی طور پر اہمیت رکھتا ہو اور جس پر رائے دینے والوں کو اعتماد ہو سکے۔

الیکشن سے پہلے چودہ پندرہ دن تک ہر رات کم و بیش یہی پروگرام رہتا ہے۔ ہال، اسکول، گرجوں کے کمرے بک کئے جاتے ہیں۔ مقرروں کے آنے جانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ مقامی پارٹی کا ہیڈ کوارٹر ان جلسوں کا انتظام کرتا ہے۔ ہیڈ کوارٹر کے ان کمروں میں جن کے دروازوں پر "جلسے" لکھا ہوتا ہے دیواریں بڑے بڑے نقشوں سے ڈھکی ہوتی ہیں۔ ان نقشوں پر درجنوں جلسوں اور مقرروں کے وقت اور جگہیں درج ہوتی ہیں۔

کھلے جلسوں میں لاؤڈ اسپیکر اور فلم والی گاڑیاں خوب کام کرتی ہیں۔ اب پرانے زمانے کی طرح مُقرّروں کو گلے پھاڑ کر چیخنے کی ضرورت نہیں پڑتی جب مُقرّر ان لاؤڈ اسپیکروں کو استعمال نہیں کرتے تو صبح سے شام تک وہ علاقہ میں سڑکوں پر پھرتی رہتی ہیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ان پر بیٹھنے والے بدلتے رہتے ہیں۔ گاڑی آہستہ آہستہ چلتی جاتی ہے اور وہ کہتے جاتے ہیں کہ فلاں کو ووٹ دیجیے۔ اکثر اوقات ان گاڑیوں میں ریڈیو اور گراموفون لگا کر مجمع بھی جمع کیا جاتا ہے۔

باب ۸

انصاف و عدالت

برطانوی شعبۂ انصاف و عدالت کے دو بنیادی اصول ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب تک عدالت میں جُرم ثابت نہ ہو جائے کسی کو اس کی زندگی آزادی یا ملکیت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے کوئی شخص قانون کے گرفت سے باہر نہیں ہے۔

عملی صورت میں قانون کے دو بڑے اجزا ہیں حکومتی قانون اور رواجی قانون۔ رواجی قانون بہت اہم ہیں۔ ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حکومتی یعنی پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون وقتی ہوتے ہیں اور رواجی قانون دائمی ہیں لیکن رواجی اور حکومتی قانون میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے تو حکومتی قانون مان لیا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ کو یہ اختیار ہے کہ وہ رواجی قانون کے کسی اصول یا استعمال کو بدل دے۔ رواجی قانون کسی حکومتی قانون کو رد نہیں کر سکتا۔

حکومتی قانون ایک دستاویز کی صورت میں ہے۔ اس میں ہر سال ایک ضخیم جلد کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ رواجی قانون اَن لکھا ہے اور انگریزی عدالتوں کے ججوں کے فیصلوں، غیر ملکوں کی ان عدالتوں کے فیصلوں (جنہیں انگریزی قانون کا ضابطہ رائج ہے)، اور مستند قانونی کتابوں میں محفوظ ہے۔

تمام دولتِ برطانیہ میں کوئی ایک ہی ضابطۂ قانون نہیں ہے۔ سکاٹلینڈ آئرلینڈ وغیرہ کے ضابطے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس کے علاوہ معمولی قانون اور انتظامی قانون میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ انتظامی افسروں کے مقدمے بھی معمولی عدالتوں ہی میں کئے جاتے ہیں۔ بادشاہ کے علاوہ باقی سب افسرانِ حکومت پر نالش کی جاسکتی ہے اور اس نالش کا فیصلہ معمولی قانون سے ہوتا ہے۔

برطانوی قانون بہت سلجھا ہوا ہے۔ تمام ججوں اور جوڈیشل افسروں کا تقرر برائے نام بادشاہ اور عملاً لارڈ ہائی چانسلر کی طرف سے ہوتا ہے۔ تاج کے نام پر چانسلر ہی ان کو برطرف بھی کرسکتا ہے۔ مگر عملاً ایسا اسی وقت ہوتا ہے جب پارلیمنٹ کے دونوں ایوان مشترکہ طور پر درخواست کریں۔ فوجداری کے مقدمات میں، جن میں حکومت مدعی ہوتی ہے، ملزم کو گرفتار یا طلب کرکے مجسٹریٹ یا منصف کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ منصف بغیر تنخواہ کا ایک افسر ہوتا ہے جسے چانسلر مقرر کرتا ہے۔ اس کا حلقۂ حکومت کاؤنٹی ہوتا ہے۔ اس کی عدالت میں جیوری نہیں ہوتی اور نہ مجرم کو اپنے بچاؤ میں کوئی بیان دینے یا وکیل کھڑا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر شہادت سننے کے بعد مجسٹریٹ دیکھتا ہے کہ ملزم کے خلاف کافی شہادت نہیں ہے تو وہ مجرم کو رہا کردیتا ہے ورنہ اس پر فردِ جرم لگا دیتا ہے۔ مجرم یا تو حوالات سپرد ہوتا ہے یا ضمانت پر رہا کردیا جاتا ہے۔ ضمانت منظور نہ ہو تو ملزم ہائی کورٹ کے جج کے سامنے درخواست دے کر ضمانت منظور کیے جانے کا حکم حاصل کرتا ہے اب گویا مقدمہ چل گیا۔

چھوٹے مقدمے چھوٹی عدالتوں میں ہوتے ہیں۔ ان عدالتوں میں دو جج

ہوتے ہیں۔ یہ جرمانہ یا تھوڑے عرصہ کی سزا دے سکتی ہیں۔ بڑے مقدمے کھلی عدالت میں ہائی کورٹ کا ایک مقررہ جج کرتا ہے جو دورے کرتا رہتا ہے اور کاونٹیوں میں سال میں تین مرتبہ اور شہروں میں سال میں چار مرتبہ اپنے اجلاس کرتا ہے۔ اجلاس میں علاقے کے تمام مجسٹریٹ ہوتے ہیں۔ اس کی عدالت کی اپیل

عدالت اپیل فوجداری (میں ہوتی

ہے۔ اس عدالت اپیل کے فیصلے کی اپیل صرف دار الامرا میں ہو سکتی ہے۔

دیوانی مقدمہ اگر سو سے لیکر پانچ سو پونڈ تک کی مالیت کا ہو تو وہ ایک کاونٹی کورٹ میں ہوگا۔ یہ عدالت اصل میں ضلع کی عدالت ہوتی ہے۔ کئی کئی ضلع ملا کر ان پر چانسلر ایک ایک جج مقرر کرتا ہے۔ یہ جج ایک ایک ماہ کے وقفے سے عدالت کرتا ہے اس کے فیصلوں کی اپیل ہائی کورٹ کی ڈویژنل بنچ میں ہوتی ہے۔

اگر مقدمہ کاونٹی کورٹ کی حدود سے باہر ہو تو وہ عدالت عالیہ منصفی میں پیش ہوتا ہے۔ اس عدالت کے جج

چانسلر کی سفارش پر بادشاہ کی طرف سے مقرر کیے جاتے ہیں۔ ان کے فیصلوں کی اپیل عدالت اپیل Court of Appeal میں ہوتی ہے اگر فریقین عدالت اپیل کے فیصلے سے بھی مطمئن نہ ہوں تو وہ دار الامرا میں اپیل کر سکتے ہیں جہاں برائے نام سارا ایوان اور عملاً چھ امرا چانسلر کے زیر صدارت مقدمات فیصل کرتے ہیں۔ ایک اور اہم جماعت پریوی کونسل کی جماعت منصفی ہے۔ جو مذہبی عدالتوں، نوآبادیوں اور مقبوضوں کی عدالتوں وغیرہ کے فیصلوں پر اپیل سنتی ہے۔ اصل میں یہ کمیٹی عدالت نہیں بلکہ شاہی کونسل کی ایک کمیٹی ہے جو اپیلوں پر تاج کے سامنے سفارشات پیش کرتی ہے جنہیں منظور یا مسترد کیا جا سکتا ہے۔

باب ۹

لوکل گورنمنٹ

تمام مملکت کاونٹیوں اور کاونٹی بروؤں میں تقسیم کر دی گئی ہے۔ کاونٹیوں کو ڈسٹرکٹوں اور ڈسٹرکٹوں کو پھر پیرشوں میں تقسیم کیا ہے۔ لندن کے وسیع اور عظیم الشان شہر کا انتظام اس تقسیم سے علیحدہ رہ کر کیا جاتا ہے مرکزی حکومت لوکل معاملات میں بہت کم دخل دیتی ہے۔ گو وہ لوکل گورنمنٹوں پر پورا قابو رکھتی ہے اور ان کی تجویز کردہ یا منظور کردہ تجویزیں حکماً منظور یا مسترد کر سکتی ہے۔

کاونٹیاں دو قسم کی ہیں۔ ایک تاریخی جو انتخابات، فوجی بھرتی، اور انصاف و عدالت کی ضروریات کے لحاظ سے بنائی گئی ہیں اور دوسری انتظامی۔ پہلی قسم کی کاونٹیاں تعداد میں ۵۲ اور دوسری ۶۲ ہیں۔ انتظامی کاونٹی میں کاونٹی کونسل حکومت کرتی ہے جس میں تین برس کیلئے چنے ہوئے کونسلر اور چھ سال کیلئے منتخب شدہ اہم آدمی ہوتے ہیں۔ کونسلروں کے انتخاب میں جماعتی اختلافات کو بہت کم دخل ہوتا ہے۔ سال میں صرف چار مرتبہ کونسل اپنے اجلاس کرتی ہے۔ کام کمیٹیوں کے ذریعے سے ہوتا ہے فرائض اور اختیارات کے معاملے میں کونسل ہمارے ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹیوں سے بہت ملتی جلتی ہے۔ انتظامی کاونٹی میں چار قسم کے علاقے ہوتے ہیں (۱) دیہی ڈسٹرکٹ بورڈ (۲) دیہی پیرش (۳) شہری ڈسٹرکٹ

اور (۴) میونسپل برو۔ دیہی ڈسٹرکٹ کا انتظام ایک کونسل کرتی ہے۔ اس کے ایک تہائی ممبر ہر سال ریٹائر ہو جاتے ہیں۔ ایک مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ کونسل اپنا اجلاس ضرور کرتی ہے۔ پیرشوں میں پیرشوں کے باشندے خود اپنا انتظام سنبھال لیتے ہیں۔ ہر پیرش میں ایک کونسل ہوتی ہے۔ اس میں ۵ سے لیکر ۱۵ تک ممبر ہوتے ہیں جو تین برس کے لئے چنے جاتے ہیں۔ اگر کونسل نہ ہو تو باشندے نگراں مقرر کر دیتے ہیں۔

ملک کے شہری علاقے تین قسم کے ہیں (۱) شہری ڈسٹرکٹ (۲) میونسپل برو، (۳) کاونٹی برو۔ شہری ڈسٹرکٹ کا انتظام بالکل دیہی ڈسٹرکٹ کی طرح ہوتا ہے۔ البتہ برو کو تاج کی طرف سے سند ملی ہوتی ہے۔ اس سند سے برو کو بہت سے ایسے اختیارات حاصل ہوتے ہیں جو کم درجے کے شہری علاقوں کو حاصل نہیں۔ ہر برو میں ایک کورپوریشن ہوتی ہے اس کورپوریشن میں ایلڈرمین اور برگیس ہوتے ہیں۔

۹ سے لیکر ۰۰ تک کونسلر بالغوں کے عام حق رائے دہی سے تین برس کے لئے منتخب ہوتے ہیں اور ان کا ایک تہائی حصہ ہر سال ریٹائر ہو جاتا ہے۔ کونسلروں میں ایک تہائی ایلڈرمین ہوتے ہیں جو چھ برس کے لئے چنے جاتے ہیں۔ ایلڈرمین زیادہ پختہ کار کونسلر ہوتے ہیں۔ کونسل کے میئر کا کونسل ایک سال کے لئے انتخاب کرتی ہے۔ امریکہ کے شہروں کے میئروں کی طرح انگلستان کی کورپوریشن کا میئر انتظامی افسر نہیں ہوتا۔ نہ تو وہ کسی کو مقرر کر سکتا ہے اور نہ کسی کو برخاست کرنے کا حق رکھتا ہے اور نہ اسے محکموں پر کوئی قابو ہوتا ہے۔ عام طور پر ایسے لوگ میئر بنائے جاتے ہیں جن کے پاس فرصت اور دولت ہو۔

باب ۱۰

دولت متحدہ برطانیہ

سیاسی مرتبہ کے لحاظ سے برطانوی مقبوضات چار قسم کے ہیں۔ مقبوضہ (Dominion.) نوآبادی (Colony) حکم برداری (Protectorate) اور ماتحت ملک (Dependency)۔ یوں تو مختلف قسم کے یہ ملک دولت برطانیہ کے اجزا ہی سمجھے جاتے ہیں مگر عملاً ان میں سے ہر ایک کو حسب مرتبہ آزادی بھی حاصل ہے۔ ان کی پارلیمنٹوں کے انتخابات ملک کے عوام کی رائے سے ہوتے ہیں، ان کے اپنے اپنے جھنڈے ہیں، اپنی اپنی فوجیں ہیں، اپنے اپنے بیڑے ہیں۔ لندن کی حکومت کی مداخلت کے بغیر خود ہی یہ ملک اپنے لئے قوانین بھی بنا لیتے ہیں اور اپنے دستور میں خود ہی ترمیم کر لینے کا حق بھی رکھتے ہیں۔

بہت بڑی حد تک مقبوضات کے دستور برطانیہ عظمیٰ کے دستور کے نمونے پر بنائے گئے ہیں۔ انگلستان کے دستور میں جو حیثیت بادشاہ کی ہے مقبوضات میں وہی حیثیت گورنر جنرل کی ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے اختیارات میں کمی ہوتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ اب وہ محض ایک دستوری عہدہ دار رہ گیا ہے۔ اور برطانیہ عظمیٰ اور مقبوضات کے درمیان ایک کڑی کا کام دیتا ہے۔ بعض مقبوضات میں ایک ایوان کی پارلیمنٹ ہے۔ بعض میں پارلیمنٹ دو ایوانی ہے۔ مگر ہر جگہ پارلیمنٹ حکمراں جماعت

سمجھی جاتی ہے اور وزیر اس کے آگے جوابدہ ہوتے ہیں۔

مقبوضات کے دستور وفاقی ہیں، برطانیہ کے دستور کی طرح مرکزی نہیں ہیں گو جیسا کہ اوپر بتا دیا گیا ہے وہ اسی کے نمونے پر بنائے گئے ہیں برطانیہ عظمیٰ اور مقبوضات کے تعلق کو اسٹیچوٹ آف ویسٹ منسٹر میں معیّن کیا گیا ہے۔ یہ تعلق ایسا نہیں ہے جیسا مرکز اور وفاق کے اجزا یا مرکز اور صوبوں میں ہوتا ہے۔ مقبوضات بالکل آزاد ہیں اور ان کا تعلق برطانیہ سے آزاد ریاستوں کا سا ہے۔ اندرونی اور بیرونی معاملات میں برطانیہ کا ان پر کوئی اثر نہیں۔ بعض مقبوضات تو دوسرے ملکوں میں اپنے سفیر بھی بھیجتے ہیں۔

مقبوضات صرف اپنی مرضی سے ان معاہدوں کے پابند ہیں جو انھوں نے برطانیہ عظمیٰ سے کر رکھے ہیں۔ اسی لئے برطانیۂ عظمیٰ اور تمام مقبوضات کو ملا کر دولت متحدہ برطانیہ کہتے ہیں۔

کینیڈا کینیڈا مملکت برطانیہ کا سب سے بڑا مقبوضہ ہے۔ اس کا رقبہ ۳۷۲۹۶۶۵ میل اور آبادی ۸۷۷۲۰۰۰ ہے سنہ ۱۸۶۷ء سے پہلے کینیڈا اپر اور لوئر کینیڈا دو صوبوں کی شکل میں تھا۔ اب یہ صوبے اونٹاریو اور کوئبک کہلاتے ہیں۔ سنہ ۱۶۰۸ء میں فرانسیسیوں نے سب سے پہلے کینیڈا کو اپنی نوآبادی بنایا۔ سنہ ۱۷۶۰ء میں انگریزوں نے اسے فتح کرلیا اور وہاں ایک گورنر مقرر کردیا اور گورنر کو ہدایت کردی کہ مقرر کردہ کونسل اور اسمبلی کی مدد سے حکومت کی جائے۔

سنہ ۱۷۷۴ء میں کوئبک ایکٹ پاس ہوا اس کا زیادہ تر مذہبی آزادی سے تعلق تھا۔ کونسل اب بھی گورنر کی طرف سے مقرر ہوتی تھی اور اسے

محصول لگانے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔

امریکہ کی جنگِ آزادی کے بعد وہ لوگ امریکہ چھوڑ کر کینیڈا میں آن بسے تھے جو برطانیہ کے وفادار تھے۔ انھوں نے کوئبک ایکٹ کی منسوخی اور دستوری حکومت کے قیام پر زور دینا شروع کیا اور اپنے اثر سے کینیڈا ایکٹ سنہ ۱۷۹۱ء منظور کرلیا۔ اس ایکٹ سے کوئبک کو اپر اور لوئر کینیڈا دو صوبوں میں تقسیم کرکے ان میں اسمبلیاں بنا دی گئیں جنہیں قانون سازی کا اختیار دے دیا گیا۔ ایک ایوانِ بالا بھی بنایا گیا۔ جس میں ممبر نامزدگی سے لے لیئے جاتے تھے۔ انتظامی اختیارات اب بھی ایک مجلس عاملہ کے ہاتھوں میں ہے۔ جسے گورنر مقرر کرتا تھا اور جو مالیات کے معاملہ میں اسمبلی کے اثر سے بالکل آزاد تھی۔

ساٹھ برس تک دونوں ایوانوں میں برابر ٹکریں ہوتی رہیں۔ آخر دونوں صوبوں میں بغاوت ہو گئی۔ سنہ ۱۸۴۰ء میں ڈرہام پورٹ کی سفارشات پر عمل کرتے ہوئے دونوں صوبوں کو ملا کر ایک کر دیا گیا اور انہیں مشترکہ کونسل اور اسمبلی دیدی گئی۔ مگر اس سے انگریز اور فرانسیسی باشندوں کے سیاسی مفاد ایک نہ ہو سکے۔

اسی اثنا میں ساحلی ریاستیں نووا اسکوشیا، نیو برنزوک، اور پرنس ایڈورڈ آئلینڈ بھی انہیں مرحلوں سے گذر رہی تھیں۔ یعنے وہ بھی آپس میں متحد ہونا چاہتی تھیں۔ سنہ ۱۸۶۴ء میں شارلٹن ٹاؤن میں ان کے نمائندوں کا اجتماع وسائل اتحاد پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا۔ اس میں کینیڈا نے بھی اپنے ڈیلیگیٹ بھیجے۔ اور یہ تجویز اجتماع کے سامنے رکھی کہ حلقۂ اتحاد کو زیادہ وسیع کرکے کینیڈا کو بھی اسمیں شامل کرلیا جائے۔

اسی سال ۱۰ اکتوبر کو ایک بڑی کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس نے فیڈریشن قائم کرنے کیلیئے ۷۲ تجویزیں منظور کیں۔ اُنہی تجویزوں کی بنیاد پر پارلیمنٹ نے برٹش نارتھ امریکہ ایکٹ بنایا اور یکم جولائی ۱۸۶۷ء کو یہ قانون نافذ ہوگیا۔ یہی ایکٹ کینیڈا کا دستور بن گیا۔

اس دستور سے حکمرانی کے اختیارات مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ عاملہ اختیارات شاہ برطانیہ کو حاصل ہیں جس کا نمائندہ گورنر جنرل کے سرکاری نام سے نظام حکومت کا سرعسکر سمجھا جاتا ہے۔ رسمًا بادشاہ مگر عملاً کابینہ اسے پانچ سال کے لئے مقرر کرتا ہے۔ گورنر جنرل کی امداد کے لئے ایک پریوی کونسل ہوتی ہے جس میں گورنر جنرل خود بھی ہے۔ اور حلف لیکر انھیں کونسلر بناتا ہے۔ گورنر جنرل ہی انھیں برطرف بھی کرسکتا ہے۔ صوبوں میں گورنر جنرل کی طرف سے گورنر یا لفٹنٹ گورنر ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت کی مدت پانچ برس ہے۔ چار یا پانچ ممبروں کی مجلس عاملہ کی مدد سے یہ صوبوں میں نظامِ حکومت چلاتے ہیں۔

پارلیمنٹ کے دو ایوان سینٹ اور دارالعوام ہیں۔ سینٹ کے ۹۶ ممبر گورنر جنرل کی طرف سے زندگی بھر کے لئے مقرر ہوتے ہیں۔ یہ جماعت عمومًا قوانین پر نظر ثانی کرتی رہتی ہے۔ دارالعوام میں عوام کے نمائندے ہوتے ہیں۔ امریکہ کی طرح کینیڈا میں بھی حق رائے دہی کی ترویج ریاستی اسمبلیوں کے حلقہ نظم ونسق میں داخل ہے۔ اور اس لئے رائے دہی ہر جگہ یکساں نہیں ہے۔ نو میں سے سات صوبوں میں بالغ رائے دے سکتے ہیں باقی دو صوبوں کوئبک اور نووا اسکوشیا میں ملکیت یا آمدنی کی شرطیں ہیں۔ ایوان کی عمر پانچ برس کی ہوتی ہے۔ لیکن اکثر چار برس میں پارلیمنٹ

ٹوٹ جاتی ہے۔ حکومت پارٹی سسٹم پر چلتی ہے۔ آئین سازی کے تمام شعبوں پر دارالعوام کا قابو ہے۔ مرکزی حکومت کی طاقت بہت کافی ہے مگر ہر صوبے میں اپنے اپنے شہروں اور دیہاتوں کیلئے جداگانہ ضابطہ رائج ہے۔

دولت مشترکہ آسٹریلیا سنہ ۱۹۰۰ء سے پہلے جب برطانوی پارلیمنٹ نے اسے ایک ایکٹ بنا کر وفاق میں تبدیل کیا، آسٹریلیا، نیو ساؤتھ ویلز، تسمانیا، وکٹوریا، ویسٹرن آسٹریلیا، ساؤتھ آسٹریلیا، اور کوئنز لینڈ پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ہر ریاست میں پارلیمنٹ کے فرمانوں کے مطابق اسمبلیاں بنی ہوئی تھیں اور وہی ریاستوں کی سیاسی اور اقتصادی پالیسی بناتی تھیں۔

ایک ہی مالی پالیسی نہ ہونے کی وجہ سے مشکلات پیدا ہونے لگیں تو ۱۸۴۶ء میں پہلی دفعہ یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ سب ریاستوں کو ملا کر فیڈریشن قائم کر دیا جائے۔ ۱۸۴۷ء میں آسٹریلیا کے لئے وفاقی دستور کی اسکیم تجویز ہوئی مگر اس کی مخالفت کی گئی اور ۱۸۵۰ء کے ایکٹ میں مرکزی ایوان کا کہیں ذکر نہیں آیا۔

۱۸۸۹ء میں ڈیفنس کی ضروریات پر غور کرتے وقت وفاقی اشتراک کا مسئلہ پھر سامنے آیا۔ چنانچہ نوآبادیوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس ملبورن میں ہوئی۔ اور اس نے ریاستوں سے سفارش کی کہ آسٹریلیا کے قومی موتمر National Convention میں اسمبلیوں کی طرف سے نمائندے بھیجیں اور وہ نمائندے وفاقی دستور مرتب کریں۔ یہ آئین جب مرتب ہو کر ریاستوں کے اسمبلیوں کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس معاملے میں کوئی دلچسپی ہی نہیں لی۔ عوام نے بھی وفاقی اشتراک کی طرف سے

کچھ لاپرواہ سے تھے۔ تاہم آسٹریلین فیڈرل یونین اپنی شاخوں کے ذریعے سے ملک میں بیداری پھیلاتی رہی۔

۱۸۹۴ء میں ایک موتمر بھی ہوئی اور اس میں وفاقی اشتراک پر بہت زور دیا گیا۔ ۱۸۹۶ء میں ریاستوں کے وزیر اعظم جمع ہوئے اور اُنھوں نے اس پر اتفاق کیا کہ ہر ریاست ایک قانون منظور کرے جس سے ہر نوآبادی کے باشندے نمائندہ موتمر کیلئے اپنے ہاں سے دس دس نمائندے چنیں اور موتمر کا مرتب کیا ہوا دستور استصواب عامہ کے لئے نشر کیا جائے۔ کوئنزلینڈ کو چھوڑ کر باقی سب نوآبادیوں نے اسی قسم کے قانون منظور کیئے۔

نمائندہ موتمر نے ۱۸۹۷ء میں تین اجتماعوں کے بعد جن کے دوران میں کوئنزلینڈ نے بھی شرکت پر آمادگی ظاہر کر دی، ۱۶ مارچ کو مسودہ دستور تیار کر لیا۔ اور وہ استصواب عامہ کے لئے نشر کر دیا گیا۔ باقی سب نوآبادیوں نے تو دستور کو فوراً قبول کر لیا۔ مگر نیو ساوتھ ویلز میں بعض دفعات کی بڑی شدید مخالفت کی گئی۔ اور اس کی دیکھا دیکھی ویسٹرن آسٹریلیا کی نوآبادی بھی جھجک گئی۔ آخر ۱۸۹۹ء میں وزیر اعظموں کی کانفرنس میں نیو ساوتھ ویلز کے اعتراضات کو دور کرنے کیلئے دستور میں بعض ترمیمیں کر دی گئی ہیں۔ اور ایک بار پھر اسے استصواب عامہ کیلئے نشر کیا گیا۔ جب سب ریاستوں نے دستور قبول کر لیا تو اسے برطانوی پارلیمنٹ کے آگے رکھا گیا۔ اور سنہ ۱۹۰۰ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے ایک ایکٹ منظور کر کے اسے نافذ کر دیا۔

یہ دستور امریکہ کے دستور کی طرح ریاستوں کی رضامندی ہی سے

تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ تاج کا نمائندہ گورنر جنرل سر عسکر حکومت ہوتا ہے مگر عملاً وزرا حکومت کرتے ہیں۔ تحریری دستور میں کابینہ کا کہیں ذکر نہیں ہے مگر حکومت اُسی کے ہاتھوں میں ہے۔ پارلیمنٹ میں سینٹ اور ایوان نمائندگان ہیں۔ سینٹ میں ہر ریاست سے چھ ممبر لئے جاتے ہیں۔ نمائندے تین برس کے لئے چُنے جاتے ہیں۔ بالغوں کو عام حق رائے دہی حاصل ہے اور بعض ریاستوں میں عورتیں بھی ووٹ دے سکتی ہیں۔ مرکزی فیڈرل حکومت کو محدود اختیارات ملے ہوئے ہیں۔ بقیہ اختیارات ریاستوں کو حاصل ہیں۔ نظام حکومت میں مرکزیت کینیڈا کی بہ نسبت کم مگر امریکہ کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

جنوبی افریقہ کی یونین سنہ ۱۹۱۰ء سے جنوبی افریقہ کے مقبوضات کیپ کالونی نٹال ٹرانسوال، وغیرہ متحد کر کے ایک یونین کی شکل میں کردئے گئے ہیں۔ اور وحدانی حکومت کے ماتحت ہیں۔ اس سے پہلے ہر نوآبادی کو ذمہ دار حکومت ملی ہوئی تھی۔ تاج کا نمائندہ گورنر جنرل ہے اور دس وزیر ملک کا انتظام کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے دو ایوان سینٹ اور ہاؤس آف اسمبلی ہیں۔ ہر چند حکومت مرکزی ہے مگر اس میں وفاقی رنگ جھلکتا ہے۔ چنانچہ سینٹ کے ممبر صوبائی کونسلیں منتخب کرتی ہیں۔ اور ۸ گورنر جنرل۔ خدمت کی مدت دس برس ہے۔ ایوان میں ۱۲۱ ممبر ہوتے ہیں جو عام رائے دہی سے ۵ برس کیلئے چنے جاتے ہیں۔ بالغوں کو عام حق رائے دہی حاصل ہے۔

نوآبادیاں اور حکمرداریاں نوآبادی کا نظام حکومت مقبوضات کی حکومت کے ڈھنگ سے مختلف

ہوتا ہے۔ نوآبادی براہ راست لندن کے ماتحت ہوتی ہے۔ بعض نوآبادیوں میں ایسا انتظام بھی ہے کہ کونسل مقرر کی جاتی ہے۔ اور اسمبلی عام انتخاب سے تشکیل پاتی ہے۔ جیسے برنڈا اور بہاما کی نوآبادیوں میں ہے۔ بعض میں کونسل کا کچھ حصہ منتخبہ اور کچھ حصہ تقرر یافتہ ہوتا ہے۔ جمائیکا اور مالٹا میں یہی صورت ہے۔ لنکا میں تمام کونسل حکومت کی طرف سے مقرر ہوتی ہے۔ بسوٹولینڈ اور جبرالٹر میں ریذیڈنٹ گورنر بغیر کونسل دفتر نوآبادیات (لندن) کی ہدایات کے مطابق حکومت کرتے ہیں۔

گویا آبادی میں ذمہ دار حکومت نہیں ہوتی مگر ذمہ دار حکومت مل جانا اس کے درجہ کے منافی بھی نہیں ہے۔ اصل میں نوآبادی کا تصور ابتدا میں یہ تھا کہ کسی ملک کے باشندے دنیا کے دوسرے غیر آباد حصوں میں جا کر رہیں اور اپنے وطن کی حکومت سے بھی تعلق قائم رکھیں۔ مگر رفتہ رفتہ اس تصور میں تبدیلی واقع ہو گئی اور اب وہ ممالک جنہیں ذمہ دار حکومت حاصل ہے، خود کو نوآبادی کہنا ذلت خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گو کینیڈا وغیرہ نوآبادیاں ہیں۔ مگر یہ مقبوضات خود کو اس نام سے موسوم یا منسوب نہیں کرتے۔

حکمیر داری میں تمام نظامِ حکومت خود اس ملک کے باشندوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔ برطانوی حکومت نگراں کا کام کرتی ہے۔

ہندوستان کی دستوری تاریخ اور اس کے آئینی ارتقا پر پوری پوری روشنی ایک علیحدہ کتاب میں ڈالی گئی ہے۔ اس کا نام "فیڈریشن یا وفاقِ ہند" ہے۔

فرانس

باب ۱

جمہوری حکومت کا آغاز

ان ملکوں میں جو جمہوری آئین کے پابند ہیں فرانس دو خصوصیتوں کی وجہ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ امریکہ انگلینڈ اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ ملکوں نے تدریجی رفتار سے چلکر جمہوری نظام حکومت اختیار کیا۔ مگر فرانس نے یک بیک اور فوری جوش کے زیر اثر شہنشاہیت ترک کر کے جمہوریت قائم کرلی۔ جس میں یہ اصول عملاً تسلیم کرلیا گیا کہ سیاسی اعتبار سے ملک کے سب باشندے مساوی ہیں۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ فرانس نے جمہوریت کو اپنے سیاسی مصائب کا علاج تصور کرتے ہوئے اختیار نہیں کیا اور نہ اس نے حکومت کے اور طرزوں کے مقابلہ میں جمہوریت میں نمایاں فوقیت دیکھی۔ فرانس نے صرف اس لئے جمہوری آئین مروج کیا کہ وہ ایک بیّن سیاسی حقیقت کو عملاً درست تسلیم کرنیکا آرزومند تھا۔ اس سلسلے میں بہت بڑا کام انقلاب فرانس نے کیا جسے انگلستان کی شہرۂ آفاق مدبر برک نے بجا طور پر محاصرہ ٹرائے کے بعد دنیا کی تاریخ کا دوسرا اہم ترین کارنامہ بتایا ہے۔

اس پرانے سیاسی نظام کی عمر جسے انقلاب فرانس نے بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا آٹھ سو برس کی تھی۔ اس کی خصوصیت اختصار کے پیرایہ میں یوں

بیان کی جا سکتی ہے کہ اوّل تو اس کی رُو سے مطلق العنان شخصی حکومت کا دور دورہ تھا اور بادشاہ کو یہ اختیار تھا کہ آئین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جو جی میں آئے کرے۔ دوسرے بادشاہ کے چھ وزرا چالیس ممبروں کی ایک کونسل کی مدد سے ملک کا انتظام کرتے تھے اور عوام میں سے کوئی ان پر نکتہ چینی نہیں کر سکتا تھا۔ تیسرے فرانسیسی پارلیمنٹ یا ایسٹیٹ جنرل (Estate Genral) بادشاہ وقت اور بارسوخ لوگوں کی اغراض کی تکمیل کا ایک آلہ تھی اور اُسے آزادانہ طور پر قانون سازی کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ چوتھے سارے سیاسی نظام کی بنیاد عدم مساوات اور مراعات بخشی پر تھی۔ ملکی قانون کا استعمال مختلف طبقوں پر مختلف طریق سے ہوتا تھا۔ نامناسب نہ ہوگا اگر ہم فرانس کے آئین پر تفصیلی نظر ڈالنے سے پہلے مختصراً یہ بتا دیں کہ انقلاب فرانس کے اثرات نے کس طرح قدیم بیکار سیاسی نظام کو ختم کر کے جمہوری طرزِ حکومت کی بنیاد ڈالی۔

فرانسیسی جمہوریت کا تاریخی پس منظر

بربن خاندان کی چیرہ دستانہ بادشاہت سے ملک کا ناک میں دم آگیا تھا۔ بالآخر ۱۷۸۹ء میں احتجاج کا وہ ہلاکت پرور طوفان جس نے لوئی شانزدہم کی کشتیٔ حیات کو غرقاب کر کے چھوڑا، متوسط بورژوا طبقے کی طرف سے اٹھا۔ ان حالات کے نقوش کو ذرا ابھار کر دکھانے کیلئے جن کی آخری کڑی یہ طوفانِ مخالفت تھا ہم لوئی شانزدہم کے زمانہ سے واقعات کا بیان شروع کرتے ہیں۔ اس بادشاہ کے عہدِ حکومت کے خاتمہ سے بہت پہلے ہی فرانس میں وحدتِ قومی کا تصور پیدا ہو کر پختہ ہو چکا تھا۔ مذہبی مساوات حاصل ہو چکی تھی۔ نمائندہ ادارے ختم ہو چکے تھے کیونکہ قدیم اسٹیٹ جنرل کا ۱۶۱۴ء

سے لیکر اس وقت تک کوئی اجلاس نہیں ہوا تھا۔ اور جیسا کہ لوئی نے خود کہا تھا بادشاہی حکومت تھا۔

مگر آئندہ ستر سال میں جذبات اور رائے عامہ میں بڑی زبردست تبدیلی ہو گئی اور لوگ آزادانہ طور پر شخصی حکومت کو اپنی نکتہ چینیوں کا نشانہ بنانے لگے۔ انقلابِ امریکہ کے بعد یہ خیالات اور بھی زیادہ پھیل گئے۔ مگر امریکہ میں جمہوری نظامِ حکومت کے قیام نے فرانس میں سیاسی اصلاح پسندوں کے ذہنوں کو اس طرف متوجہ نہیں کیا کہ وہ بھی اپنے ملک میں جمہوری حکومت قائم کریں۔

قومی اسمبلی عقیدۃً بادشاہیت پسند تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۷۹۱ء میں جو ملکی دستور اس نے ترتیب دیا اس کی رو سے بادشاہیت برقرار رہی۔ البتہ آئندہ حالات نے بادشاہیت کے قیام کو ناممکن بنا دیا۔ بادشاہ کا فرار، ملکۂ وقت کی طرف سے رائے عامہ کا ٹھکرایا جانا، بادشاہیت پسندوں کی سازشوں وغیرہ سے جمہوریت کے انتہا پسند عناصر نے رائے عامہ کو باغیانہ تعلیم دینی شروع کردی۔ خود مجلسِ قانون ساز کا طرزِ عمل بھی جو سنہ ۱۷۹۱ء کے دستورِ اساسی کے مختصر وقفۂ حیات کے دوران میں ملک پر حکمراں تھی اور جو عقیدہ کے اعتبار سے بادشاہیت پسند تھی بادشاہیت کے خلاف ہو گیا۔

۲۱ ستمبر سنہ ۱۷۹۲ء کو تازہ منتخبہ موتمر (Convention) نے حالات کی رفتار کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ بادشاہیت کے عزل اور جمہوریت کے قیام کے سوا سرزمینِ فرانس کی بہتری کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ یوں بادشاہیت کا چراغ گل ہوا اور جمہور نے امرا اور زعماء کلیسا کی طاقت سلب کرلی۔

انقلاب سنہ ۱۷۹۲ء کے بانیوں نے جلد ہی جلدی تین مرتبہ فرانس کے لئے دستور بنانے کی کوشش کی مگر ان میں سے کوئی آئین بھی زیادہ مدت تک

برقرار نہ رہ سکا۔ سنہ ۱۷۹۹ء میں نپولین بونا پارٹ نے ایک دستور ترتیب دیا جو سنہ ۱۸۱۴ء
تک جاری رہا۔ اس دستور کی رُو سے چار حکمراں اداروں کے ذریعے ملک پر حکومت
ہوتی تھی۔ (۱) ٹریبونیٹ (Tribunate) جو ایک قانون ساز جماعت تھی
اور جس کے ایک سو ممبر پانچ برس کیلئے منتخب ہوتے تھے۔ (۲) کورپس لیجیلیٹف
(Carpus Legis Latif) جس کے تین سو ممبر پانچ برس کیلئے چُنے جاتے تھے
اور جو ٹریبونیٹ کی تجویز کو مسترد یا منظور کرتی تھی۔ (۳) کیبنٹ (Cabinet)
جس کے اسی مستقل ممبر منظور شدہ قوانین کی دستوری حیثیت پر غور کرتے
تھے اور (۴) کونسل آف اسٹیٹ جو انتظامی اور آئینی مسودوں کی تیاری اور
اور ان کی وکالت پر مامور تھی۔ عاملانہ اختیارات تین کونسلروں کے سپرد تھے جنھیں سینٹ دس برس کے
لئے مقرر کرتا تھا۔

سنہ ۱۸۱۴ء میں نپولین تخت سے دست بردار ہوا۔ دستبرداری کے تین ہفتے
بعد ۳ مئی کو بربن خاندان کا بادشاہ لوئی شانزدہم فرانس کے تخت پر بیٹھا۔ اور
چھ ہفتے بعد ایک کمیشن نے جو تین نمائندگانِ تاج، نو سنیٹروں اور کورپس لیجیلیٹف
کے نو ممبروں پر مشتمل تھا۔ ایک نیا دستور اساسی بنایا جو برطانوی آئین سے
اخذ کردہ اثرات پر مبنی تھا۔ اس آئین میں برطانوی طرز کا کابینہ ترتیب دینے
کی فرانس میں پہلی مرتبہ کوشش کی گئی تھی۔ گذشتہ دستور کی بہ نسبت یہ آئین
یقینی طور پر بہتر تھا کیونکہ اس کی رُو سے گو بادشاہ کو احکامات صادر کرنے،
نوکریاں دینے، صلح اور جنگ اور قانون سازی پر نگرانی کا اختیار حاصل تھا
مگر وہ ٹیکس نہیں لگا سکتا تھا۔ اور نہ پارلیمنٹ کی مرضی کے بغیر قانون بنا سکتا تھا۔
پارلیمنٹ کے دو ایوان تھے۔ چیمبر آف پیئرز (Chamber of Peers)
میں بادشاہ کے نامزد امراء لئے گئے۔ اور چیمبر آف ڈپٹیز (Chamber of Deputies)

میں وہ لوگ آئے جنھیں اضلاع نے پانچ برس کیلئے اپنا نمائندہ بنانا پسند کیا تھا پارلیمنٹ کے لئے کم ازکم ایک مرتبہ اجلاس کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

۱۸۳۰ء میں دوسرے انقلاب نے اس "محدود بادشاہت" کو بھی ختم کیا۔ ایک پارلیمنٹری کمیشن نے دستور پر نظرثانی کی اور نئے بادشاہ لوئی فلپس نے جو آرلین خاندان سے تھا، جدید دستور کو قبول کرلیا۔

فروری ۱۸۴۸ء میں آرلین خاندان کی بادشاہت بھی تباہ ہوگئی اور جمہوری حکومت قائم ہوئی جس نے حق رائے دہی کو عام کردیا۔ نمائندہ اسمبلی نے ایک آئین تیار کیا۔ اور ۴ نومبر ۱۸۴۸ء کو یہ آئین سات سو نورایوں کی اکثریت سے منظور ہوگیا۔

یہ مسلم سمجھا گیا کہ آزاد حکومت کی ضروری شرائط دوامی جمہوریت، حکومت عوام اور اختیارات کی صحیح تقسیم ہیں۔ ۱۸۴۸ء میں نپولین کا بھتیجہ لوئی نپولین نامی جمہوریہ فرانس کا صدر چنا گیا تھا۔ ۱۸۴۹ء میں نمائندہ اسمبلی آئی۔ اس کے دو تہائی ممبران بادشاہیت پسند تھے، ان کی مدد سے نپولین نے ۱۸۵۲ء میں خود کو ملک کا بادشاہ منتخب کرالیا۔ اور جمہوریت ختم ہوگئی۔ ۱۸۷۰ء میں وہ جرمنوں کے ہاتھوں قید ہوا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس وقت کی فرانسیسی اسمبلی نے بہت جلد تیسری جمہوریت کا اعلان کردیا۔

نئی اسمبلی نے جرمنوں سے صلح کرنے کی غرض سے اڈولف تھیئرز کو چیف آف دی ایگزیکٹو پاور آف دی فرنچ ری پبلک (سربراہ منتظمہ جمہوریہ فرانس) بنالیا۔ یہ نامزدگی عارضی تھی اور اس وقت بھی عارضی ہی رہی جب اسمبلی نے اسے صدر جمہوریہ منتخب کرلیا۔ اس حیثیت میں تھیئرز نے جمہوری نظام حکومت کو استحکام دینے کی بڑی کوششیں کیں مگر چونکہ اکثریت کا رجحان بادشاہیت کی طرف تھا ۱۸۷۳ء میں پانسہ پلٹ گیا اور بربن خاندان کا ایک حامی مارشل مکموہن صدر

بٹھا دیا گیا۔ ۱۸۷۵ء میں بادشاہیت پسندوں کے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر جمہوریت پسندوں نے ایک جمہوری آئین مروج کیا۔ اور ایگزیکٹو کے سرکردہ کو صدرِ جمہوریہ کا خطاب دیا گیا۔ بادشاہیت پسندوں نے اس نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی مگر جب انتخابات میں جمہوریت پسندوں کو پے در پے اکثریتیں حاصل ہوئیں تو بادشاہیت پسند دب گئے۔ اور مکموہن کے استعفٰے دینے کے بعد جُول گریوی نامی ایک وکیل اس کی جگہ صدر بن گیا۔ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۲ء تک کئی موقع ایسے آئے کہ جمہوری حکومت کیلئے بڑے بڑے خطرات پیدا ہوئے مگر حکومت کے مقابلہ میں اہلِ کلیسا کی ناکامیابی کے بعد جمہوری نظامِ حکومت عام طور پر قبول کر لیا گیا۔ تاہم اہلِ کلیسا کے علاوہ ایک اور گروہ بھی جو اپنے آپکو سوشلسٹ کہتا تھا جمہوری حکومت سے دست و گریباں ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ اور اہلِ کلیسا کی پسپائی کے بعد اس گروہ کو اپنی ہمت آزمائی کیلئے میدان بالکل صاف نظر آیا۔ ۱۸۴۸ء کے تیسرے انقلاب کے دوران میں سوشلسٹوں کے اصول ملک میں خوب پھیلے اور اس سال کا ماہ جون کا پیرس کا فساد سوشلسٹوں ہی کا کارنامہ تھا۔ یہ لوگ حکومت سے بہت سے حقوق منوانے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر چونکہ فرانسیسی رائے دہندگان کی اکثریت زراعت پیشہ ہونے کی وجہ سے فطرتاً حقِ ملکیت برقرار رکھنا چاہتی تھی سوشلسٹ کچھ زیادہ آگے نہیں جا سکے اور جمہوری نظامِ حکومت رفتہ رفتہ بالکل پختہ ہو گیا۔

باب ۱۲

دستور کی حدود

صدر جمہوریہ

فرانس کا دستور اساسی مختصر، غیر منظم اور محدود ہے۔ اس میں صرف تین دستوری قوانین ہیں۔ پہلا جمہوریت کے صدر کا انتخاب اور اس کے فرائض اور دستوری ترمیموں سے متعلق ہے۔ باقی دو اسمبلی اور انتظامی امور سے بحث کرتے ہیں۔ باقی تمام امور رواج اور معمولی قانون سازی کے فیصلوں پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

مگر دستور میں ہر وقت ترمیم کا دروازہ کھلا ہے اور ۱۸۷۵ء کے بعد سے اب تک اصلی دستور اساسی ترمیموں کے ذریعہ بہت کچھ بدلا جا چکا ہے۔ یہ ترمیمیں صدر یا ایوانوں کے ممبروں کی طرف سے پیش ہوتی ہیں۔ اور ان پر غور کرنے کیلئے دونوں ایوانوں کے علیحدہ علیحدہ اجلاس منعقد کئے جاتے ہیں اور پھر ممبران دونوں ایوانوں کے مشترک اجلاس میں اکثریت سے ان ترمیموں کو منظور کر دیتے ہیں۔

ایک حکومت کے آئین کا نمایاں ترین کام کسی دستوری ادارے کے ذریعے قانون کا نفاذ ہے۔ امریکہ کی طرح فرانس میں بھی ایک منتخبہ صدر سے یہ خدمت لی جاتی ہے۔ دونوں ایوانوں کے مشترک اجلاس میں اس کا انتخاب سات سال کیلئے ہوتا ہے۔

صدر کا انتخاب | ممبری کی مدت کے اختتام سے ایک ماہ قبل صدر جمہوریہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ممبروں کا ایک مشترک

اجلاس بلاتا ہے تاکہ وہ صدر کے جانشین کا انتخاب کرے۔ اگر یہ اجلاس نہ بلایا جا سکے تو اختتامِ مدت سے دو ہفتے پہلے سینٹ کا صدر ایک میٹنگ کرتا ہے۔ صدر کے استعفیٰ دینے یا فوت ہو جانے کی صورت میں اسمبلی کا اجلاس بغیر کسی رسمی دعوت کے کر لیا جاتا ہے۔ فرانس میں جمہوریہ کے نائب صدر نہیں ہوتے۔ اور نہ جانشینی کا کوئی قانون موجود ہے۔ اس لئے عہدۂ صدارت خالی ہوتے ہی انتخاب ضروری ہو جاتا ہے۔

مدتِ صدارت سات سال ہوتی ہے۔ صدر کا انتخاب ایوان مشترکہ طور پر کرتے ہیں اور عوام کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور چونکہ اسے بہت کم سیاسی اہمیت حاصل ہے اس لئے انتخاب بہت تیزی اور خاموشی کے ساتھ عمل میں آ جاتا ہے۔ جہاں تک ضابطہ کا تعلق ہے صدر جمہوریہ کا انتخاب اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر ہو جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

اجلاس میں انتخابِ صدر کا مسئلہ رکھا جاتا ہے تو کوئی بحث نہیں ہوتی۔ صرف ووٹ ڈالے جاتے ہیں۔ ووٹوں کی ٹوکری ایوان کے پلیٹ فارم پر رکھی جاتی ہے۔ نقرئی زنجیر پہنے ایک خدمتگار ممبران کے نام پکارتا جاتا ہے اور ممبران پلیٹ فارم کے آگے سے گزرتے ہوئے ووٹ ڈالتے جاتے ہیں۔ جب ووٹ پڑ چکتے ہیں تو ممبران اسمبلی میں سے چند اشخاص برابر کے کمرے میں جا کر ووٹوں کا شمار کرتے ہیں اور کامیاب ہونیوالے کے نام کا اعلان کر دیتے ہیں اس پر غلغلۂ مسرت بلند ہوتا ہے اور پھر ایوان منتشر ہو جاتا ہے۔ نیا صدر وزرا کے ہمراہ پیرس میں داخل ہوتا ہے اور پلیز دے ایلزی میں مقیم ہوتا ہے۔

دستور کی رو سے یہ قاعدہ ہے کہ گذشتہ صدر کی مدتِ صدارت کے آخری دن نئی صدارت کا افتتاح ہوتا ہے۔ وزیر اعظم اس دن نئے صدر

کو ایلیزی تک پہونچانے آتا ہے۔ پرانا صدر ایک رسمی تقریر کرتا ہے اور جانشین اس کا جواب دیتا ہے۔ اس کے بعد دونوں ہوتیل دے ویلی (.Hotel de Ville) میں داخل ہوتے ہیں جہاں میونسپلٹی کے نمائندگان اور محکمہ سین (Department of The Sein) کی طرف سے ان کا استقبال ہوتا ہے۔ لوگ باگ سڑکوں پر جمع ہو جاتے ہیں اور نعرہ ہائے مسرت بلند کرتے ہیں۔ مگر رسمی جشن میں صرف وزرا اور دونوں ایوانوں کے ممبران شریک ہوتے ہیں۔

صدر کے اختیارات بحیثیت سرگروہ حکومت صدر کو نفاذ آئین بحری و بری سپاہ کا اختیار اور خارجی حکمت عملی وضع کرنے اور صلحنامے اور معاہدے کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ بعض عہدنامے ملک سے آئینی طور پر منظوری حاصل کرنے کے بعد کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح صدر اسمبلی کی مرضی کے بغیر اعلان جنگ بھی نہیں کر سکتا۔ سول اور ملٹری کے عہدوں پر افراد کے تقرر کی طاقت اسے حاصل ہوتی ہے اور وہ مجرموں کو معافیاں بھی دے سکتا ہے۔

صدر تمام پبلک تقریبوں میں قوم کی نمائندگی کرتا ہے اور وہ اسی کے زیر صدارت منعقد ہوتی ہیں۔ ایوانوں کے ممبروں کی طرح صدر بھی قوانین تجویز کرنے کا حق رکھتا ہے اور سینٹ کی مرضی سے چیمبر آف ڈپٹیز کو توڑ سکتا ہے وہ دونوں ایوانوں کا غیر معمولی اجلاس بھی طلب کر سکتا ہے اور انھیں ایک مشترک اجلاس میں دستور اساسی پر نظر ثانی کی اجازت دے سکتا ہے۔

صدر ایوانوں کو کوئی پیغام نہیں دے سکتا۔ تھیئرز نے ایسا کیا تھا۔ لیکن اسمبلی نے اس کی خطابت سے خوف کھا کر اس امر کی ممانعت کر دی اور اس ممانعت کی تردید ابھی تک نہیں ہوئی ہے۔ صدر ایوانوں کو ایک مہینے تک ملتوی بھی کر سکتا ہے۔ مگر ایک سشن میں دو مرتبہ سے زیادہ ایسا کرنا اس کے

اختیار میں نہیں ہوتا ۔ فرانس کے صدر کو ویٹو کا اختیار حاصل نہیں ہے ۔ البتہ وہ کسی منظور شدہ قانون پر دوبارہ غور کرنے کے لئے ایوانوں کا اجلاس طلب کرنیکا مجاز ہے ۔ اپنی یہ تمام طاقتیں صدر اپنے وزراء کے ذریعہ استعمال کرتا ہے ذاتی طور پر وہ بالکل ذمہ دار نہیں اور قانوناً ایوانوں کی رائے ملامت اسے معزول نہیں کرسکتی ۔ گو ایوان ایسا کرسکتے ہیں کہ اپنے مخالفانہ طرزِ عمل سے اس کیلئے صدارت کی کرسی سنبھالے رہنا ناممکن بنا دیں ۔ لیکن چیمبر آف ڈپٹیز اس پر بغاوت کا الزام لگا سکتا ہے ۔ اس صورت میں جرم کی تفتیش سینیٹ کرتا ہے اور جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں صدر اپنے عہدہ سے ہٹا دیا جاتا ہے

وزراء ایگزیکیٹو امور کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور اپنے افعال کے لئے وہ صدر کے نہیں بلکہ ایوانوں کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں ۔ گویا فرانس کا پریزیڈنٹ نہ تو امریکہ کے صدر کی طرح ہے (جو اسمبلی سے قطعاً بے نیاز ہونے کی وجہ سے اس کی کامیاب مخالفت کرسکتا ہے اور جس کے وزراء کانگریس کے نہیں بلکہ اسی کے سامنے اپنے افعال کے جوابدہ ہوتے ہیں) اور نہ فرانس کا صدر سوئزرلینڈ کے صدر کی طرح صرف سات ممبروں کی ایگزیکیٹو کمیٹی کا صدر ہوتا ہے (جسے کوئی نمایاں اختیار حاصل نہیں) اس کی صحیح نظیریں برطانیہ ، اٹلی ، ہالینڈ اور ناروے جیسے ممالک کے آئینی بادشاہوں میں مل سکتی ہیں ۔ ان ممالک میں بادشاہ صرف آئینی طور پر بادشاہ ہوتے ہیں جن کے نام پر نظامِ حکومت چلایا جاتا ہے ۔ اصلی حکمرانی کی باگ وزراء کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں ۔ البتہ دو باتوں میں فرانس کا صدر اپنے وزراء سے بے نیاز ہو کر قدم اٹھاتا ہے ۔ اوّل وہ اُس شخص کا انتخاب کرتے وقت آزادانہ اپنی رائے کا استعمال کرتا ہے جس کو

وزارت ترتیب دینی ہے۔ جب ایک کابینہ شکست کھاکر مستعفی ہو جاتا ہے تو صدر اپنا قانونی فرض ادا کرتے ہوئے نمایاں ترین ڈپٹی یا سینٹر کو بلاکر نئی حکومت ترتیب دینے کی دعوت دیتا ہے۔ رواجاً اُسے سینٹ کے پریزیڈنٹ اور چیمبر کے پریزیڈنٹ دونوں سے مشورہ کرنا چاہیئے۔ اور پارٹیوں کے لیڈروں اور دیگر اہلِ الرائے سیاست دانوں کی رائے بھی معلوم کرنی چاہیئے۔ مگر وہ ان رایوں کی قبولیت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ کابینہ کی ترتیب کے متعلق وہ اپنے پسند کردہ وزیر اعظم کو اپنا مشورہ پیش کرسکتا ہے۔ مگر وزیر اعظم کیلئے ان مشوروں پر کاربند ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اصولاً صدر ان معاملات میں بہت کم دخل دیتا ہے اور کابینہ کی ترتیب میں اس کا بہت کم حصہ ہوتا ہے۔

دوسری بات جس میں صدر اپنی رائے کا آزادی سے استعمال کرسکتا ہے یہ ہے کہ وہ دشوار مسئلوں کو حل کرنے میں اپنے وزراء کو امدادی مشورے دیتا ہے اس اعتبار سے جمہوریہ فرانس کے صدر کی حیثیت شاہ برطانیہ (جو آئینی بادشاہ ہوتا ہے مگر حکمراں نہیں ہوتا) اور صدر جمہوریہ امریکہ (جو آئینی بادشاہ بھی ہوتا ہے اور حکمراں بھی) کے بیچ بیچ ہوتی ہے۔

باب ۱۱

دستور کی حدود

وزرائے کابینہ

ان کی ذمہ داری اور پوزیشن

وزارتی جلسے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ کیبنٹ کونسل کا جلسہ ہفتے میں ایک مرتبہ ہوتا ہے، جس کی صدارت صدر جمہوریہ کرتا ہے۔ وزرا کی کونسل ہفتہ میں دو بار ہوتی ہے۔

ذیل میں ہم کابینہ اور اس کے وزرا کی پوزیشن اور ذمہ داریوں اور اختیارات پر پوری طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

صدر کے ہر فعل پر ایک وزیر کی دستخطی تصدیق ضروری ہے۔ دوسرے وزرا مجموعی طور پر حکومت کی عام حکمت عملی کے واسطے اور فرداً فرداً اپنے ذاتی فعلوں کیلئے ایوانوں کے سامنے ذمہ دار ہیں۔ جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں صدر کو اپنی جگہ بعض اختیارات حاصل ہیں مگر اصلی حکمراں قوتِ وزرا ہیں۔ وہ برطانوی کابینہ کی طرح قانون سازی پر پورا راہبرانہ قابو رکھتے ہیں۔ کابینہ کے وزرا قانوناً نہیں مگر عملاً یا تو ڈپٹی ہوتے ہیں یا سینیٹر (Senator) اور مدتِ وزارت کے اختتام پر پھر اپنی پچھلی حیثیت پر آجاتے ہیں۔ یوں مزاج، خیالات اور عادات کے لحاظ سے وہ اول آخر ممبران جماعت قانون ساز ہی رہتے ہیں۔ وزیر اعظم اپنے کابینہ کیلئے بیشتر وزرا اپنے ہی گروپ میں سے چنتا ہے۔ مگر عام طور پر وہ ایک دو وزیر اپنے مخالف گروہوں میں سے بھی لے لیتا ہے جن سے اُسے امداد کی توقع ہوتی ہے۔ اختلاف رائے رکھتے ہوئے بھی وزرا مخالفین وزارت کے مقابلہ میں متحدہ

محاذ پیش کرتے ہیں۔ وزارت کی صف میں آنے کیواسطے ایک ڈپٹی کو ان ہی اوصاف سے بہرہ ور ہونا چاہیئے جو ہر جمہوریت پسند ملک میں کابینہ کے افراد کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں یعنی پارلیمنٹری فہم و ذکاوت، موقع شناسی، مقبولیت بیدار مغزی اور قوتِ تقریر۔

فرانسیسی وزرا کا امریکن وزیروں سے کوئی تقابل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ جماعت قانون ساز میں نہیں بیٹھتے اور نہ وہ اپنی اعلیٰ قابلیت اور صلاحیت کی بنا پر وزیر بنائے جاتے ہیں بلکہ ان کی خصوصیت صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ ان ریاستوں سے تعلق رکھتے ہیں جنھیں کابینہ میں نمائندگی دے کر صدر جمہوریہ خوش کرنا چاہتا ہے۔

چہار سالہ مدّتِ وزارت کے بعد امریکن وزیر سیاسیات سے غائب ہو جاتا ہے اور پھر کبھی اس کا نام نہیں سُنا جاتا۔ برخلاف اس کے فرانس میں، فرانس کے وزرا ملکی سیاسیات میں حصّہ لیتے رہتے ہیں۔ ایک وزیر کا درجہ مرتبہ کے لحاظ سے صدر جمہوریہ اور ایوانوں کے صدروں کے بعد ہے۔ اسے ایکسیلنسی کا خطاب ہوتا ہے۔ جب وہ کسی پبلک تقریب میں شریک ہونے کے لئے کسی شہر میں جاتا ہے تو اس کا ہر ممکن احترام ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ فرانس میں ایگزیکیٹو کا حلقۂ عمل بہت وسیع ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وزرا کا اقتدار بھی بہت وسیع ہوگا۔ لیکن اصل میں فرانس کے نظامِ حکومت کی مشین اس قدر پیچیدہ ہے کہ ایک وزیر کچھ زیادہ "زور آزمائی" نہیں کرسکتا۔ انتظامی فرائض کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ اسے ڈپٹیوں کے بہت سے مطالبات بھی پورے کرنے پڑتے ہیں۔ کابینہ کے مستقبل کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے اور تجارتی لوگوں کا دباؤ بھی برداشت کرنا ہوتا ہے۔

فرانس میں وزارتوں کی عمریں بہت ہی مختصر ہوتی ہیں۔ وزارت کی تبدیلی سے

ملک کی حالت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ انگلستان میں وزارت کا ادل بدل رائے عامہ کی تبدیلی کو ظاہر کرتا ہے۔ فرانس میں ایسا نہیں ہے۔ وزارت کی تبدیلی سے گو ملک کے عام انتظام میں خلل تو ضرور پڑتا ہے مگر بے ترتیبی پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ مضبوط اور اہل لوکل انتظامی ادارے قصرِ حکومت کے بالائی حصوں سے متاثر ہوئے بغیر اپنا کام کئے چلے جاتے ہیں۔ وزارت کی تبدیلی سے فرانس کی خارجہ پالیسیوں پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا۔

آخر وہ کونسی بنیادی وجوہات ہیں جن کی بنا پر وزارتیں اس قدر غیر مستحکم رہتی ہیں؟ اور تبدیلیاں اس قدر جلدی جلدی ہو جاتی ہیں؟ سطحی طور پر جو وجوہات سمجھ میں آسکتی ہیں پہلے ہی بتائی جا چکی ہیں۔ یعنی چیمبر میں گروہوں کی کثرت، ڈسپلن کی کمی، نازک سیاسی صورت حالات کا فوری طور پر پیدا ہو جانا، مختلف خیال کے گروہوں کا کسی ایسی وزارت کو شکست دینے کیلئے ایک ہو جانا جسے وہ اپنی مختلف وجوہات سے ناپسند کرتے ہوں۔ لیکن ان سطحی اسباب کے علاوہ بعض بنیادی وجوہات بھی ہیں جنمیں سے چند ذیل میں گنائی جاتی ہیں۔

(۱) ملک میں قدرتی سرزمین کی تقسیم کے لحاظ سے شدید اختلاف رائے ہے۔ مغرب شمال مشرق اور بالخصوص جنوب مشرق کے سیاسی رجحانات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

(۲) رومن کیتھولک اور دوسرے مذہبی طبقوں میں ہمیشہ ٹھنی رہتی ہے۔

(۳) صنعت اور کان کنی کے علاقوں میں مزدور کارخانہ داروں اور سرمایہ دار لوگوں کے مفاد سے ہمیشہ دشمنانہ سلوک کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔

(۴) زراعتی علاقوں کے باشندے بیشتر ملکی سیاسیات سے بے خبر اور لاپرواہ رہتے ہیں۔

باب ۱۴

پارلیمنٹ کی تشکیل

سینٹ اور چیمبر آف ڈپٹیز

دستور کی رو سے ایک دو ایوانی پارلیمنٹ ہے۔ انتخاب انتخابی اداروں کے ذریعے ہوتا ہے۔ اداروں کے ممبرانِ عام ووٹنگ سے چنے جاتے ہیں۔ ان میں کانسٹی ٹیونسی کے ڈپٹی جنرل اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کے ممبر اور کمیونوں کے ڈیلیگیٹ شامل ہوتے ہیں۔ ان ڈیلیگیٹوں کے اخراجات جو کانسٹی ٹیونسی کے مرکزی مقام تک رائے دینے کیلئے آتے ہیں پبلک فنڈ سے ادا کئے جاتے ہیں۔ ہر حلقہ انتخاب سے دو سے لیکر دس سینٹر تک آ سکتے ہیں۔ آبادی کی کمی بیشی اس عدم توازن کی ذمہ دار ہے ایک سینٹر کی مدتِ خدمت نو برس ہے۔ حقیقت میں سینٹ کبھی بھی نہیں ٹوٹتا کیونکہ اس کا ایک تہائی حصہ ہر سال بدلتا رہتا ہے۔ کل حلقہ انتخاب تین گروہوں میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ ہر گروہ تین متعینہ تاریخوں میں سے کسی ایک تاریخ پر الیکشن یا انتخاب کر لیتا ہے۔ چالیس برس سے نیچے کا آدمی سینٹ میں داخل ہونے کے قابل نہیں سمجھا جاتا عمر کی اس قید کے علاوہ اور کسی قابلیت کی چھان بین ضروری نہیں حتیٰ کہ رہائش تک کی قید نہیں۔ گو عملاً صرف وہی لوگ منتخب ہوتے ہیں جو حلقہ رہائش دکھا سکتے ہوں یا اس سے متعلق ہوں۔ ان ممبروں کی جگہوں کیلئے جنہیں اسمبلی نامزد کرتی ہے کبھی انتخاب نہیں ہوتا۔ کوئی جگہ خالی ہونے پر خود سینٹ ہی اسے پُر کر لیتا ہے

مالی مسودوں کے علاوہ دوسرے مسودے اس کے پاس پہنچیں تو سینٹ ان میں منسوخی یا تخفیف دفعات کے ذریعہ ترمیم کر سکتا ہی یہ کہ منسوخی یا تخفیف دفعات کے علاوہ سینٹ اخراجات میں اضافہ بھی کر سکتا ہی یا نہیں مابہ النزاع مسئلہ ہے اور ابھی تک اس کا اطمینان بخش حل نہیں ہو سکا۔ اب سے پہلے بعض مرتبہ سینٹ نے ایسا کیا ہی مگر ایسے موقعوں پر چیمبر کی طرف سے صدائے احتجاج بھی ضرور بلند کی گئی اور سینٹ نے اپنی مجبوری محسوس کرتے ہوئے چیمبر کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

جہاں تک مالی مسودوں کا تعلق ہی برطانوی پارلیمنٹ میں بھی بالکل یہی صورت ہے وہاں دارالعوام نے بڑی کشمکش کے بعد دارالامرا سے مالیات پر اپنا اختیار تسلیم کرایا ہے۔ اب برطانوی آئین یہ ہے کہ دارالامرا عوام کے منظور کردہ مالی مسودہ قانون کو زیادہ سے زیادہ دو برس تک ملتوی کر سکتا ہی دو برس کے بعد وہ مسودہ قانون بن جاتا ہی۔ فرانسیسی سینٹ کو دو خصوصی اختیارات حاصل ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر نئے چیمبر کے انتخاب سے قبل صدر چیمبر کو توڑنا چاہے تو سینٹ موافق یا مخالف رائے دے سکتا ہی۔ دوسرے یہ کہ مخالفین حکومت کے مجرمانہ افعال کی تفتیش کیلئے سینٹ صدر کی دعوت پر بطور ہائی کورٹ آف جسٹس اپنا اجلاس منعقد کر سکتا ہی اور فیصلہ دے سکتا ہی۔ خارجی حکمتِ عملی یا تقرریوں کے سلسلہ میں سینٹ کے ذمہ کوئی خاص خدمت نہیں لگائی گئی۔

سینٹروں کے انتخاب میں ملک کچھ زیادہ دلچسپی نہیں لیتا۔ منتخب کرنے والے ڈیلیگیٹ عموماً سب اوسط درجہ کے طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ووٹنگ عموماً جماعت بندی کی بنیادوں پر ہوتا ہے اور مقامی اثرات بہت کم کام کرتے رشوت ستانی عنقا ہوتی ہی۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک شخص سینٹ میں داخل ہو کر سیاسی زندگی شروع کرے۔ سینٹ کے امید وار اکثر و بیشتر وہ لوگ

ہوتے ہیں جو چیمبر کی طویل ممبری کے بعد اب زیادہ آسان زندگی کے متلاشی ہوتے ہیں۔ سینٹ میں ذاتیات اور گرماگرمی کی کمی بہت نمایاں ہوتی ہے۔ چیمبر میں ان چیزوں کا مظاہرہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ سینٹر ہر چیز کو معقولیت اور تجربات کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ وہ پارٹی بندی کے اثرات سے بالکل آزاد ہوتے ہیں۔ اور نہ انھیں دوبارہ منتخب ہونیکی کوئی امید ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک سینٹر دو سے زیادہ مرتبہ منتخب ہی نہیں ہوتا۔

سینٹ اور چیمبر کے تعلقات چیمبر سے سینٹ کے تعلقات کا دار و مدار سینٹ کے اختیارات پر ہے جو عمل میں بالکل نہ ہونے ہی کے برابر رہ جاتے ہیں۔ مالی معاملات میں سینٹ کو چیمبر کا دست نگر بننا پڑتا ہے اور اس لئے یہ عاملہ پر کوئی قابو حاصل نہیں کر سکتا۔ سینٹ خود بھی اپنی اس کمزوری کو عملاً تسلیم کر لیتا ہے۔ اور کبھی بھی چیمبر کا راستہ نہیں روکتا چونکہ رجحانات بیشتر جمہوریت کی طرف ہیں اور سینٹ ان رجحانات کا کوئی کامیاب مقابلہ نہیں کر سکتا ہے اس نے چیمبر کے مقابلہ میں اس حیثیت سے بھی فروتر حیثیت پر قناعت کر لی ہے۔ جو اس کی تشکیل سے آئین کے مدِ نظر تھی۔

مگر سینٹ بڑی عمدگی سے اپنے کاموں کو انجام دیتا ہے۔ اس کے ممبران پارلیمنٹری معاملات کے پورے ماہر ہوتے ہیں۔ اور چیمبر کے ماحول اور اس کی کمزوریوں سے خوب واقفیت رکھتے ہیں۔ اختلافی مسئلوں میں وہ ایسے سلیقے کے ساتھ چیمبر سے نبرد آزما ہوتے ہیں کہ اپنی آشکارا کمزوریوں کے باوجود بھی کامیابی کیساتھ اس کا مقابلہ کر لیتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ چیمبر سنجیدگی کیساتھ ایک مسودۂ قانون منظور کرنے پر بضد ہے اور رائے عامہ بھی وزارت کی پشت پر ہے تو سینٹ چیمبر کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور مسودۂ قانون کی منظوری پر چون و چرا نہیں کرتا۔ لیکن

اس کے برخلاف جب سینٹ دیکھتا ہے کہ کوئی مسودۂ قانون صرف ہنگامی شورت مرعوب ہوکر پاس کردیا گیا ہے تو یہ خاموشی سے اسے طاقِ نسیاں کے حوالے کردیتا ہے اور اس موقع کا منتظر رہتا ہے کہ ممبران کا جوش ٹھنڈا پڑجائے اور رائے عامہ کا رجحان کسی اور جانب ہوجائے تو مسودۂ قانون کو ترمیم کرکے چیمبر میں بھیجے۔ بہت سے بُرے مسودے اسی طرح موت کی نیند سُلا دئے جاتے ہیں۔ مگر مالی قوانین کے معاملہ میں چیمبر سینٹ کو یہ چالیں نہیں چلنے دیتا۔ عموماً سال کا بجٹ آخری ممکن لمحوں تک روکا جاتا ہے۔ اور ایسی تنگ فرصت میں سینٹ کے پاس منظوری کیلئے بھیجا جاتا ہے جب ترمیم کیلئے وقت ہی نہ نکل سکتا ہو۔

سینٹ اور چیمبر کے درمیان اختلافات کے تصفیہ کی تنہا صورت یہ ہے کہ ہر ایوان کی طرف سے ایک ایک کمیشن بیٹھتا ہے اور ان دونوں کمیشنوں کی کانفرنس میں اختلافی مسئلوں پر بحث ہوتی ہے۔ اگر یوں تصفیہ نہ ہو تو پھر اور کسی صورت سے تصفیہ ممکن نہیں اگر چیمبر اپنی رائے پر اصرار کرے تو اس کی رائے بالخصوص اس وقت جبکہ رائے عامہ بھی اس کی پشت پر ہو غلبہ پالیتی ہے۔

کابینہ میں سینٹ سے تین چار ممبر ضرور لئے جاتے ہیں۔ ہر چند اپنی حیثیت کے اعتبار سے سینٹ میں یہ صلاحیت نہیں کہ قوم کی توجہ کا مرکز بن سکے مگر پھر بھی سینیٹروں کا احترام کیا جاتا ہے۔ اکثر اُن بلوں میں ترمیم یا تخفیف کرنے کی وجہ سے جو چیمبر نے بلا کسی پس و پیش کے پاس کردئے ہوں رائے عامہ سینیٹروں سے برہم رہتی ہے مگر سمجھدار طبقہ سینٹ کی قدر و قیمت سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔

چیمبر آف ڈپٹیز یہ فرانس کا دارالعوام ہے جس کا انتخاب چار برس کیلئے ہوتا ہے۔ اس کے ممبران کی تعداد ۶۲۶ ہے ۱۹۱۹ء سے انتخاب متناسب آبادی کے لحاظ سے ہو رہا ہے۔ اس کا پورا بیان آگے آئیگا۔

طریق انتخاب ہر مرد شہری جس کی عمر اکیس برس کی ہو چکی ہو انتخاب میں رائے دے سکتا ہے وہ افراد جو دیوالیہ ہیں یا فوجی یا بحری بیڑے کی ملازمت میں ہیں یا جن کے سول یا پولیٹیکل حقوق قانوناً سلب ہو چکے ہیں حق رائے دہی سے محروم ہیں۔ عورتوں کو حقوق رائے دہی حاصل نہیں ہیں۔ ایک شخص (خواہ وہ دو جگہوں سے رائے دینے کا حقدار ہی کیوں نہ ہو) صرف ایک ہی مقام پر رائے دے سکتا ہے۔ صدر جمہوریہ کے اعلان اور حکم سے پارلیمنٹری انتخابات عمل میں آتے ہیں۔

فرانس کے آئین کی رُو سے انتخابی رائے دہی کیلئے صرف ایک دن مقرر ہے جسب قاعدہ ووٹنگ مقامی میونسپلٹی کی عمارت میں ایک انتخابی بیوریو کی نگرانی میں ہوتا ہے جو میئر (صدر) چار اسیسروں اور ایک سکریٹری پر مشتمل ہوتا ہے۔

قاعدہ یہ مقرر ہے کہ باقاعدگی کے خیال سے انتخابی کارڈ انتخاب سے پہلے ہی تقسیم کردئے جاتے ہیں۔ ہر کارڈ پر ضلع مقام، نام انتخاب، نام رائے دہندہ، اس کا رجسٹر نمبر اور نام جائے انتخاب درج ہوتے ہیں۔ رائے دینے سے پہلے رائے دہندہ اسیسروں میں سے کسی ایک کو اپنا کارڈ دیدیتا ہے اور وہ کارڈ کا مندرجہ نام سکریٹری کو پڑھ کر سناتا ہے تاکہ فہرست رائے دہندگان سے ملایا جاسکے۔ کارڈ رائے دہندہ کو واپس کردیا جاتا ہے تاکہ اگر دوبارہ رائے شماری کی ضرورت ہو تو یہ کارڈ کام آسکے۔ مگر اس کا ایک کونہ تراش دیا جاتا ہے کہ موجودہ انتخاب میں دوبارہ استعمال نہ ہو سکے۔ رائے شماری کیلئے رائے دہندگان ہی میں سے افراد لئے جاتے ہیں اور ان کی مدد سے انتخابی افسر ہر امیدوار کے ووٹ علیحدہ کرتا ہے۔ اس وقت میز میں اس طرح رکھی جاتی ہیں کہ ووٹران کے اردگرد پھر کر یہ دیکھ سکتے ہیں کہ رائے شماری ٹھیک طور پر عمل میں آرہی ہے۔ جو کچھ نتیجہ برآمد ہوتا ہے فوراً مع ضروری کاغذات حلقہ کے صدر مقام کو بھیجدیا جاتا ہے اور وہاں اس کا اعلان ہو جاتا ہے۔

چیمبر کے اجلاس ۱۸۷۵ء کے آئین کی رُو سے مقامِ حکومت آبادی سے دور ورسیلز میں رکھا گیا تھا۔ مگر جب پیرس سے دور رہ کر کام کرسکنا ناقابلِ عمل دکھائی دیا تو ۱۸۷۹ء میں ایوان پیرس میں منتقل ہوگیا۔ اس وقت سے چیمبر آف ڈپٹیز کے اجلاس پیلس بربن میں اور سینٹ کے اجلاس پیلس دے لکسبرگ میں ہوتے ہیں۔

ہر سال ماہ جنوری کے دوسرے چہارشنبہ کو دونوں ایوانوں کے اجلاس منعقد ہوتے ہیں۔ اگر صدر چاہے تو وہ وقت سے پہلے بھی اجلاس طلب کرسکتا ہے۔ ہر سال کم سے کم پانچ ماہ تک ایوانوں کے اجلاس ہوتے رہتے ہیں۔ اور دونوں ایک ساتھ ہی منتشر ہوتے ہیں بالعموم ایوانوں کے جلسے تمام سال جاری رہتے ہیں۔ صرف تین مرتبہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کیلئے ملتوی ہوتے ہیں۔ ایوانوں کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے فیصلے سے اجلاس ختم کردیں۔ مگر وہ کثرتِ رائے سے تھوڑے عرصہ کیلئے اجلاس ملتوی کرسکتے ہیں۔

اگر ایوانوں کی اکثریت پسند کرے تو وہ صدر جمہوریہ سے ایک غیر معمولی اجلاس منعقد کرنے کی درخواست بھی کرسکتی ہے۔ صدر کو سشن ختم کرنے اور ایوانوں کے التوا کا حق بھی حاصل ہے۔ مگر ایک سشن میں صدر زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ ایسا کرسکتا ہے اور ایوان زیادہ سے زیادہ ایک ماہ تک معرضِ التوا میں رہ سکتے ہیں۔ صدر جمہوریہ سینٹ کی مرضی سے چیمبر کو توڑ بھی سکتا ہے۔

اجلاس خاص وعام دونوں کیلئے کھُلے ہوتے ہیں مگر ممبران کی درخواست پر دروازے بند کردئے جاتے ہیں۔ عملاً دونوں ایوانوں میں پبلک کو جانیکا حق ہے۔ ایوانوں کے مباحث کی رپورٹیں بھی پوری آزادی کیساتھ شائع کیجا سکتی ہیں۔

چیمبر کے ممبر اور اُن کا طرزِ عمل چیمبر کی ممبری کے امیدواروں کیلئے رائے دہندگی کا حق رکھنا ضروری ہے امیدوار کی عمر پچیس برس سے کم نہ ہونی چاہیئے یہ ضروری نہیں کہ جس حلقہ سے وہ کھڑا ہوا ہے

اسی کی سکونت بھی دکھائے۔ ان خاندانوں کے افراد چیمبر کے ممبر نہیں ہو سکتے جو کسی وقت فرانس پر حکمرانی کر چکے ہیں۔ تنخواہ دار عمال بھی (ماسوائے چند) چیمبر کی ممبری کے امیدوار نہیں ہو سکتے۔ امریکہ کی طرح فرانس میں بھی یہ دستور ہے کہ ایوان کا ممبر ایوان کی منظوری کے بغیر مستعفی نہیں ہو سکتا۔ سینیٹروں کو ڈپٹیوں کے برابر معاوضہ ملتا ہے۔ پہلے یہ رقم نو ہزار فرانک سالانہ تھی۔ ۱۹۲۸ء سے یہ پندرہ ہزار فرانک سالانہ ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ ممبر ایک برائے نام رقم ادا کر کے ریل میں مفت سفر بھی کر سکتے ہیں۔

چیمبر کے ممبران میں سے اکثر اپنی ابتدائی زندگی ہی سے حلقۂ انتخاب میں اثرات قائم کرتے آتے ہیں۔ وہ مقامی کونسلوں میں داخل ہوتے ہیں۔ مقامی پارٹی کے ایک سرگرم کارکن کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ اور پوری مستعدی کے ساتھ حلقہ کے مفاد کا تحفظ کرتے رہتے ہیں۔

چیمبر کی ممبری کے سلسلے میں امیدوار کی شخصی خدمات بہت کام کرتی ہیں۔ ایک امیدوار کیلئے نہ صرف خوش خلقی اور ملنساری کے اوصاف سے متّصف ہونا ضروری ہے بلکہ اپنے حلقہ کے جذبات اور توہمات کا بھی اسے لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً مملکتِ فرانس کا جنوبی حصہ زیادہ آزاد خیال ہے اور اخلاقی پابندیوں کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ برخلاف اس کے شمالی علاقے ان معاملات میں زیادہ سخت ہیں اور اس لئے شمالی علاقوں سے چیمبر کیلئے امیدوار ہونیوالوں کو ایسی آرا کے اظہار اور ایسی حرکات سے پہلو بچانا پڑتا ہے جو اس علاقے کے باشندوں کے ضابطۂ اخلاق کی رُو سے ممنوع ہیں۔

کسی ضلع کے ذی اثر افراد کو اس ضلع کی پارٹی کمیٹی اپنی طرف سے امیدوار کھڑا کرتی ہے اور الیکشن کے وقت بھی امیدوار زیادہ تر مقامی معاملات کے سرانجام دینے کے متعلق ہی لوگوں کو اطمینان دلاتا ہے اور تفصیل کے ساتھ بتاتا ہے کہ میں اپنے حلقے کی کیا کیا خدمات کروں گا۔ ملکی سیاست کا تذکرہ اس کی زبان پر نہیں آتا۔

جب ایک دفعہ ایک شخص چیمبر کا ممبر منتخب ہو جاتا ہے تو اس کی پہلی کوشش یہی ہوتی ہے کہ آئندہ کیلئے انتخاب میں کامیاب ہونے کے واسطے میدان تیار کرے وہ فرداً فرداً ضلع کے ہر باشندہ کے مفاد کا خیال رکھتا ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کو ضرور فائدہ پہنچاتا ہے۔ جنھوں نے اسے کامیاب بنانے میں حصہ لیا تھا۔

ایک ممبر اپنے مددگاروں میں سے کسی کیلئے اگر خطاب کا بندوبست کرتا ہے تو کسی کے لڑکے اور داماد کو نوکری دلواتا ہے اور کسی کیلئے تمباکو بیچنے کا لائسنس حاصل کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ جن لوگوں کے وہ کام کرتا ہے انہی کی رائے کی بدولت اُسے اقتدار اور اختیار حاصل ہوتا ہے۔ پھر وہ صرف اپنے رائے دہندوں کی اغراض کی تکمیل کا آلۂ کار نہیں رہتا۔ لوگ اس کی عزت بھی کرتے ہیں۔ جب تک وہ کانسٹی ٹیونسی کے علاقہ کے باشندگان کے مفاد کا تحفظ کرتا رہتا ہے لوگ اسے ممبری سے ہٹانا فضول خیال کرتے ہیں۔

مستقبل کی طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد چیمبر کا ممبر ایوان میں اپنی پوزیشن کے استحکام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ وہ ایوان حکومت کی بہترین کمیٹیوں میں سے ایک یا دو میں جگہ حاصل کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ممبروں سے دوستانہ تعلقات قائم کرتا ہے اس کے بعد وہ چیمبر کے بیشمار گروہوں میں سے کسی ایک میں شامل ہو جاتا ہے جو نہ صرف باعتبار پالیسی اُسے پسند ہوتا ہے بلکہ جس کی شمولیت میں وہ اپنی آئندہ ذاتی ترقی بھی دیکھتا ہے۔ ان گروہوں کے صدر ہوتے ہیں اور ایک کمیٹی بھی ہوتی ہے مگران لوگوں کا کوئی وجود نہیں جنھیں انگلستان میں وہپ کہتے ہیں اور جو اختلافی مسئلوں پر رائے شماری کے وقت گروپ کی رائیں جمع کرتے ہیں۔

چیمبر کی فضا

سیاسی گروہوں کے علاوہ ایوان میں صنعتی، زراعتی اور تجارتی مفاد کے تحفظ کی بنا پر بھی گروہ بن جاتے ہیں۔ جیسے زراعت

پیشوں کا گروہ، شکر سازوں کا گروہ، شراب والوں کا گروہ، ڈاکٹروں کا گروہ - ان میں سے بہت سے گروہوں کو جماعتی پالیٹکس سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ خاص خاص صنعتی تجارتی اغراض کی تکمیل کیلئے وزارت پر زور ڈالتے رہیں۔

چونکہ ایوان میں بیشمار گروہ ہوتے ہیں اور کوئی ایک گروہ بھی تنہا کل ممبروں کے ½ حصے کی رایوں کا مالک نہیں کہا جا سکتا، کوئی وزارت یقینی اکثریت کی توقع نہیں رکھتی اور اُسے دو یا دو سے زیادہ گروہوں کے اشتراک سے قائم شدہ بلاک پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جب تک بلاک غیر منقسم رہتا ہے وزارت خود کو محفوظ سمجھتی ہے۔ لیکن اگر کسی نے معاملہ پر دفعتہً اکثریت میں خلل آجائے تو وزارت کے اقتدار کا محل زمین پر آرہتا ہے۔

فرانسیسی نظام حکومت کی ایک اور تعجب خیز خصوصیت مسلمہ لیڈر کی کمی ہے۔ گو ہر گروہ کا ایک صدر ہوتا ہے۔ مگر اس کا اقتدار برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا کے پارلیمنٹری لیڈروں کے حلقۂ اثر سے کہیں محدود تر ہوتا ہے - اس کی وجہ جذبۂ مساوات کی شدت اور اہلِ فرانس کی یہ جبلت ہے کہ ہر فرد اپنا سکہ جمانے کی فکر کرتا ہے - جونہی ایک مدبر اپنی تقاری یا پر زور شخصیت کی وجہ سے دوسروں سے آگے نکلتا ہے لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں اس کے ساتھی صرف اسی حد تک اس کا ساتھ دیتے ہیں جہاں تک ان کی ذاتی اغراض پوری ہوں۔ اس کے دشمن اس کے متعلق بیجا غرور حکومت کے فرضی قصے گھڑ کر سناتے ہیں۔

انتخابات میں بھی نمایاں سیاست دانوں کے نام کا رائے دہندگان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس جذبۂ مساوات اور اقتدار دشمنی کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ چیمبر اور اس کی کمیٹیاں ہمیشہ وزارت سے عاملانہ قوت چھیننے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔

چیمبر کا نظام اور طریق کار

ہر سیشن کے آغاز میں ایوان اپنے ممبران میں سے ایک بیوریو منتخب کرتا ہے اور طریق کار کو آسان بنانے کیلئے قاعدے بناتا ہے سال بھر کیلئے ایوان کے نجی معاملات اسی بیوریو کے افسران

کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں۔ جیسے ایوان کے عملے کے اہلکاروں کا تقرر، ریکارڈ تیار کرنا رائے شماری کے وقت رائیں گننا، حساب رکھنا اور ادائیگی زر۔ بیورو کے صدر اور نائب صدروں اور سکریٹریوں کو کوئی تنخواہ نہیں ملتی۔ مگر ممبران کو جو فرانس کی آئینی اصطلاح میں کویئٹرز (Quettiers) کہلاتے ہیں معمولی ممبروں سے دوگنی تنخواہ ملتی ہے۔

صدر چیمبر ایوان کا اہم ترین فرد ہے صدر جمہوریہ اور صدر سینٹ کے بعد ایمپائر میں اس کا تیسرا درجہ ہے۔ جہاں تک اس کے فرائض اور اختیارات کا تعلق ہے کچھ تو آئین نے وضع کئے ہیں اور کچھ ایوان کے قاعدے نے۔ مختصراً وہ دورانِ بحث میں کرسی صدارت پر بیٹھتا ہے۔ تحریکوں پر رائیں طلب کرتا ہے اور نتائج کا اعلان کرتا ہے۔ وہ چیمبر کی کارروائیوں کی رپورٹوں پر دستخط کرتا ہے۔ درخواستوں، میموریلوں اور رپورٹوں کی جو ایوان کے نام آتی ہیں سماعت کرتا ہے۔ جشنوں ہی پر نہیں بلکہ سینٹ سے معاملہ ہوتے وقت بھی وہی چیمبر کی نمائندگی کرتا ہے۔ چیمبر میں نظام قائم رکھنے کے واسطے اور اس کی آزادی کے تحفظ کیواسطے وہ جو قدم چاہے اٹھا سکتا ہے وہ حکومت سے مسلح فوجیں تک طلب کر سکتا ہے۔ اس کے اختیارات برطانوی صدر کی طرح محدود نہیں۔ برطانیہ کی بہ نسبت وہ امریکہ کے ایوان نمائندگان کے صدر سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ اس سے یہ توقع تو ضرور کی جاتی ہے کہ اپنے عہدہ کے فرائض غیر جانبداری کے ساتھ ادا کر دے مگر آئین اسے کامل طور پر غیر جانبدار رہنے پر مجبور نہیں کرتا وہ کرسی صدارت چھوڑ کر بحث و تمحیص میں حصہ لے سکتا ہے۔ رواجاً وہ اس جماعت کی طرفداری کرتا ہے جس میں صدر بننے سے پہلے شامل تھا۔ پھر اس کے سامنے اپنا مستقبل بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ کسی وقت صدر جمہوریہ یا وزیر اعظم بھی بن سکتا ہے۔

چیمبر کی پہلی میٹنگ میں ایوان خود کو گیارہ حصوں میں تقسیم کر لیتا ہے۔ یہ وہی

طریقہ ہے جس سے برطانوی پارلیمنٹ اور امریکن کانگریس میں کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ فرانس کی آئینی اصطلاح میں ان کو گروپ یا کمیشن کہتے ہیں۔ ہر مسودۂ قانون ایوان میں پیش ہونے پر ان کمیٹیوں میں سے کسی ایک کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور وہ مجوّزہ کا بیان سُن کر مسودہ میں ترمیم و تنسیخ وغیرہ کرتی ہے۔ گروپ کا ایک ممبر جو رپورٹر کہلاتا ہے ترمیم شدہ مسودے کی رپورٹ ایوان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور اس رپورٹ میں ترمیموں کے جواز میں دلیلیں دیتا ہے۔ رپورٹر کی اسامی (بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ قانون اہم ہو) مستقبل کیلئے سربلندیوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس طریق سے وزارت کے اختیارات میں بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے پیش کردہ مسودۂ قانون بھی کمیشن سے واپس ہونے پر اس صورت میں نہیں رہتے جو وزرا نے انھیں دی تھی اور کمیشن کے ممبران کی اکثریت کا وزرا کے موافق ہونا ضروری نہیں۔

اس صورتِ حال کی مشکلات مالی مسودوں کے معاملہ میں بہت زیادہ نمایاں ہوتی ہیں۔ عاملہ کی مالی تجویزیں ۴۲ ممبروں کی ایک کمیٹی کے سامنے آتی ہیں جن میں ممبران حسب مرضی ترمیم و تنسیخ کے مجاز ہیں۔ ترمیم شدہ صورت میں جب مالی مسودے ایوان کے سامنے رکھے جاتے ہیں تو گویا ایک ایسا بجٹ پیش ہو جاتا ہے جو اس بجٹ سے بالکل مختلف ہے جسے فنانس منسٹر نے تجویز کیا تھا۔ اور پھر جب مالی کمیشن کا رپورٹر ایوان کے سامنے اپنی ترمیموں کے جواز میں دلیلیں پیش کرتا ہے تو وہ اپنی جگہ ایک دوسرا اور رقیب فنانس منسٹر بن جاتا ہے۔ اور اس بات کا ہر طرح امکان ہوتا ہے کہ وزارت کے مقابلہ میں اس کی بات مان لی جائے۔

وزارت زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کر سکتی ہے کہ اپنے ذاتی رسوخ سے کام لیتے ہوئے کمیشن کے ممبروں کو اپنی فنانشل پالیسی سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرے۔

اس تمام صورتِ حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ نظامِ حکومت بے ترتیب اور فنانشل پالیسی غیر مستقل ہو۔ دوسرے عاملہ کا اقتدار خطرہ میں رہتا ہے۔ حالانکہ عاملہ کے افراد ہی اصل میں توانین کیلئے عوام کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ ملک قانون سے ناراض ہونے کی صورت میں کمیشن کے ممبران کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ گو سزا کے مستوجب وہی ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے وہ عاملہ کے ذمہ دار افراد کو سزا کا مستحق قرار دے سکتا ہے حالانکہ وہ اس معاملہ میں ملزم نہیں ہوتے۔

بہت کم بل پاس ہو کر قانون بنتے ہیں۔ گو پیش بہت زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہر حلقہ انتخاب اپنے نمائندہ سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ ملکی سیاست میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے گا۔ اور اس لئے اپنی کارگذاریوں کی فراوانی دکھا کر حلقہ کو خوش کرنے کیلئے ممبر غیر ضروری طور پہ زیادہ سے مسودے پیش کر دیتے ہیں۔ جن میں سے بہت سے کمیٹیوں کے تغافل کی نذر ہو جاتے ہیں۔ کسی وزیر کے پیش کئے ہوئے کسی اہم مسودے کیلئے فضا زیادہ سازگار ہوتی ہے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ کمیٹی اس میں ایسی ترمیمیں کر دے کہ واپس ہونے پر اس کی متوقع شکل وصورت بالکل بدل جائے۔

امور کے فیصلوں میں التوا کا یہ عالم ہو کہ بعض اوقات خاصے اہم سوالات ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے سشین میں زیر بحث آتے ہیں مگر ایک عرصہ تک ان کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ یہ صورتِ حال دنیا کی کم وبیش سبھی جماعتہائے قانون سازمیں ہوتی ہے۔ مگر خصوصیت کیساتھ فرانس کے ایوانِ حکومت میں اس کے تواتر کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ چیمبر کے ممبران قانون سازی میں اتنی دلچسپی نہیں لیتے جتنی ذاتی معاملات میں اور ان امور میں لیتے ہیں جن پر حکومت کے بننے اور بگڑنے کا انحصار ہوتا ہے۔ وزیر کے سہو یا طرفدارانہ طرز عمل پر ایسی ایسی گرم بحثیں ہوتی ہیں کہ کمزور وزارتوں کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ ایسے مواقع کو بہانہ بنا کر مخالف ممبران کابینہ

پر حملہ کر دیتے ہیں۔ کسی ایک مخالف ممبر کی طرف سے نوٹس دیا جاتا ہے کہ کسی بیان یا طرز عمل کی بنا پر وہ کسی وزیر سے سوالات کرے گا۔ سوالات دریافت کرتے ہوئے وہ ممبر کابینہ یا وزیر کے طرز عمل پر شدید نکتہ چینی کرتا ہے۔ اور اسے ملامت کرتے ہوئے وزیر اعظم یا زیر بحث وزیر سے جواب طلب کرتا ہے۔ کابینہ یا وزیر کسی فوری جواب پر مجبور نہیں ہوتے چنانچہ اس الزامی بحث کیلئے کوئی اور دن مقرر کر دیا جاتا ہے۔ جب اس دن بحث ہو چکتی ہے تو آرڈر آف دی ڈے منظور کرنے کی تجویز پیش ہوتی ہے اس تجویز کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اب جبکہ الزامی بحث ختم ہو چکی ہے ایوان اپنے کام کیطرف متوجہ ہوتا ہے۔ آرڈر آف دی ڈے کی تجویز پیش ہوتے وقت کابینہ کو شکست دینے کا موقع مخالفین کے ہاتھ آتا ہے۔ آرڈر دو قسم کا ہوتا ہے پرائٹ سمپل (Peretsimple) یا موٹو (MoTive) پہلے آرڈر کی تجویز میں بغیر کابینہ کو الزام دئے صرف یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اختتام بحث کے بعد ایوان اپنے روزمرہ کے کاموں کو لیتا ہے دوسرے آرڈر کی تجویز میں ان الفاظ کے ساتھ ہی چند ایسے الفاظ کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے جن سے وزارت کی مذمت ہوتی ہے یا جن سے اس پر اعتماد ظاہر کیا جاتا ہے۔ مذمت کی تجویز عموماً وزارت کے دشمنوں کی طرف سے پیش ہوتی ہے۔ اور اعتماد کی تجویز خیر خواہوں کی طرف سے اٹھائی جاتی ہے۔ اگر وزارت جیت جاتی ہے تو اس کا بیڑہ طوفان مخالفت سے صحیح سلامت نکل جاتا ہے ورنہ دوسری صورت میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہی ہو جاتا ہے۔

ان ہنگامہ خیز موقعوں پر عوام میں بڑی دلچسپی پائی جاتی ہے اور تماشائیوں کی گیلریاں کھچا کھچ بھری ہوئی ہیں۔ اگر پہلے سے یہ معلوم ہو جائے کہ وزارت کی اخلاقی جرأت ختم ہو چکی ہے اور اس میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے تو مخالفین زیادہ سے زیادہ معمولی بات کو بہانہ بنا کر اس کے اقتدار کا خاتمہ کر دیتے ہیں مگر خارجی حکمت عملی کے سلسلے میں ایسا کوئی بہانہ کبھی تلاش نہیں کیا جاتا کیونکہ روایتاً کسی ایسے اقدام سے گریز کیا

جاتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر بیرونی دنیا کی نظروں میں فرانس کی ذلت ہو۔

جہاں تک انتظامی امور میں حصہ لینے کا تعلق ہے چیمبر کے ممبران ملکی مفاد کو پیش نظر رکھنے کے علاوہ ذاتی غرضوں اور اپنے حلقہ کی ضرورتوں اور مطالبات کو بھی اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ کسی علاقہ کے رائے دہندگان میں سے جب کسی فرد کو اپنی انگور کی فصل برباد ہو جانے پر سرکاری محصول معاف کرانا ہوتا ہے یا اپنے علاقہ میں ٹرک بنوانی ہوتی ہے یا اپنے لڑکے کے ساتھ امتحانات میں رعایت کرانی ہوتی ہے یا کسی مقدمہ کے دوران میں عدالت کے پاس سفارش کرانیکی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنے علاقہ کے ممبر کو لکھتا ہے اور ممبر وزیر سے صورتِ حال بیان کرتا ہے اور یہ بات وزیر کے ذہن نشین کر دیتا ہے کہ آئندہ کسی نازک موقع پر وہ وزارت کیلئے اسی صورت میں مفید ثابت ہو سکیگا جب اسوقت وزارت بھی اس کے لئے مفید ثابت ہو۔

چیمبر میں انفرادی قابلیتوں اور ذہانتوں کے مظاہرے خوب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات بڑے بڑے ہنگامے بھی ہو جاتے ہیں۔ ممبران ایک دوسرے کی ذاتیات پر بھی بکر وہ حملے کر دیتے ہیں مگر چونکہ عام فضا ذاتی رنجشوں سے پاک ہے ایوان سے باہر نکلتے ہی ایک دوسرے سے دوستانہ میل جول شروع کر دیتے ہیں اور ایک دوسرے کے استدلال اور زورِ بیان کی داد دینے لگتے ہیں۔

پارلیمنٹ اور قانون سازی

پارلیمنٹ کا کام تین عنوان پر تقسیم کیا جا سکتا ہے (۱) قانون سازی (۲) مالی انتظام اور (۳) حکومت کی انتظامی شاخوں کی نگرانی۔

۱۸۷۵ء کے آئین کی رو سے صدر اور ممبران ایوان کو قوانین کے مسودے پیش کرنیکا اختیار ہے۔ وزرا جو مسودے تیار کرتے ہیں وہ بطور گورنمنٹ بل وزیر اعظم یا کوئی اور وزیر صدر ہی کی طرف سے پیش کرتا ہے چونکہ اس قسم کے بل انتظامی امور سے متعلق

ہوتے ہیں اس لئے قانوناً وزیر اپنی ذمہ داری پر انہیں ایوان میں پیش نہیں کر سکتا۔ اُسے لازمی طور پر صدر کے دستخط لینے پڑتے ہیں۔ ممبران کے بل پہلے قانون سازی کی کمیٹی کے حوالے کئے جاتے ہیں اور اس کی رپورٹ کو سامنے رکھ کر ایوان فیصلہ کرتا ہے کہ آیا بل پیش ہونا چاہیئے یا نہیں۔ اگر رپورٹ مخالفانہ ہے تو کم سے کم چھ ماہ تک کیلئے بل روک دیا جاتا ہے۔ ہر ممبر کو ہر قسم کے بل پیش کرنیکا غیر محدود اختیار حاصل ہے۔ اس معاملہ میں برطانوی دارالعوام اور فرانسیسی چیمبر آف ڈپٹیز میں بڑا نمایاں فرق ہے۔ برطانیہ میں قانون سازی کی تحریک ہمیشہ وزرا کی طرف سے ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے فرانسیسی ایوان میں یہ کام اکثر و بیشتر ممبران کرتے ہیں۔ اور وزرا کو کسی صورت سے بھی پارلیمنٹ کا مالک نہیں کہا جا سکتا وہ مسودے جن کے پیش ہونے کی چیمبر نے منظوری دیدی ہو۔ سینٹ میں خاص کمیٹیوں کے حوالے کردئے جاتے ہیں۔ چیمبر میں بھی ضروری مسودے اسٹینڈنگ کمیٹیوں ہی کے سپرد ہوتے ہیں۔ کمیٹیوں کی رپورٹیں چھاپ کر تقسیم کی جاتی ہیں اور جب چیمبر میں بحث شروع ہوتی ہے تو یہ مطبوعہ رپورٹیں تمام ممبروں کے پاس ہوتی ہیں۔ چیمبر کا ہال نیم دائرہ کی شکل میں ہے۔ بیچوں بیچ صدر کیلئے ایک اونچی آرام کرسی رکھی ہے۔ اور اس کرسی کے سامنے تقریر کرنے والوں کے لئے ایک پلیٹ فارم ہے جسے ٹریبیون (Tribune) کہتے ہیں۔ ٹریبیون کے دونوں طرف اسٹینوگرافر بیٹھتے ہیں۔ جو اجلاس کی کارروائی کی رپورٹیں لیتے ہیں۔ اور یہ رپورٹیں ہر صبح سرکاری اخبار (Journal Official) میں چھپتی ہیں۔ نشستوں کا پہلا حلقہ حکومت یعنی وزرا کیلئے ہے۔ ان کے بعد ایوان کے باقی ممبروں کیلئے نشستیں ہیں۔ دائیں طرف قدامت پسند بیٹھتے ہیں اور بائیں جانب ریڈیکل طبقے کیلئے نشستیں خاص ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ قانون بننے سے پہلے ایک مسودے کی ایوان میں پانچ دن میں دو مرتبہ خواندگی ہو۔ جو ممبر بحث میں حصہ لینا چاہتا ہے وہ اس لمبی فہرست پہ جو سکریٹری کے پاس رہتی ہے

اپنا نام لکھ دیتا ہی۔ ہر ممبر کی تحریک پر بحث بند کرنے کے متعلق رائے لی جاسکتی ہی۔ رائے شماری یا تو صرف ہاتھ اٹھا دینے سے ہو جاتی ہے یا پرچیاں ڈالی جاتی ہیں۔ پرچیاں دو رنگوں کی ہوتی ہیں۔ سفید موافق رائے کیلئے ہوتی ہیں اور نیلی مخالف رائے کیلئے۔ اہلکار ٹوکریاں لیکر جاتے ہیں اور پرچیاں جمع کرتے ہیں۔

مالیات اور مالی مسودے

انقلاب کے وقت سے اب تک قومی مالیانہ کے متعلق چند اصول نظامِ حکومت کی بنیاد بنے رہی ہیں۔ دستور اساسی میں ان کا کوئی اندراج نہیں ہے۔ مگر پھر بھی وہ ملکی قانون کا ناگزیر جزو سمجھے جاتے ہیں، وہ اصول یہ ہیں کہ ٹیکس لگانیکا حق عوام یا ان کے نمائندوں ہی کو ہے۔ سال میں صرف ایک مرتبہ ٹیکس لگائے جائیں گے۔ قومی روپیہ قوم کی مرضی ہی سے صرف ہوگا۔ حکومت کی امداد سے قوم کے نمائندے ہر سال آمدنی اور اخراجات کا تخمینہ یعنی بجٹ تیار کریں گے۔

یہ قاعدہ کہ سب فنانس بل پہلے ایوان عام میں پیش ہوں گے ۱۸۱۴ء میں برطانوی آئین سے اخذ کیا گیا تھا اور ۱۸۷۵ء کے آئین نے اس پر تصدیق کی مہر ثبت کردی بجٹ سال کے سال آئندہ سال کے لئے بنتا ہے۔ انگلستان میں بہت سے اہم ٹیکس مستقل قوانین کی رو سے وصول کئے جاتے ہیں۔ مگر فرانس میں تمام سال کے اخراجات اور آمدنی ایک ہی بار شمار کرلی جاتی ہیں۔

اصل میں وزرا ہی بجٹ بناتے ہیں۔ مختلف محکموں کے سرگروہ اپنے ماتحتوں کی مدد سے اپنے محکموں کے اخراجات کا تخمینہ تیار کرتے ہیں۔ فنانس منسٹر ان سب کو ایک جگہ کرکے ان میں آمدنی کا تخمینہ بھی شامل کردیتا ہے اور اس طرح بجٹ تیار کرلیتا ہی۔ مالی سال یکم جنوری کو شروع ہوتا ہے اور بجٹ کی تیاری اس سے تین ماہ قبل یعنی ماہِ اکتوبر یا نومبر میں شروع کردی جاتی ہے۔ بجٹ تین ہزار صفحات کی ایک کتاب پر مشتمل ہوتا ہی

تیار ہونے کے بعد یہ کتاب بجٹ کمیٹی کو بھیجدی جاتی ہے۔ یہ کمیٹی پورا سی ممبروں کی ہوتی ہے اور اسے ایوانِ عام کی گیارہ اسٹینڈنگ کمیٹیوں کے ممبر منتخب کرتے ہیں۔ ہر اسٹینڈنگ کمیٹی سے چار ممبر بجٹ کمیٹی میں لئے جاتے ہیں۔

ممبروں کا انتخاب ۔۔۔ ایک سال کیلئے ہوتا ہے۔ مگر عملاً یہ اس وقت تک ممبر رہتے ہیں جب تک ان کا کام پوری طرح انجام کو پہونچ جاتا ہے۔ کمیٹی بند کمروں میں تخمینے کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد ایک طویل رپورٹ مرتب کرتی ہے۔ اور تین چار ماہ کے بعد ایک بڑے فنانس بل کا مسودہ تیار کرتی ہے جسمیں نظرثانی کی ہوئی تجاویز شامل کرلی جاتی ہیں۔

اس کے بعد چیمبر میں بحثیں شروع ہوتی ہیں۔ پہلے بل پر مجموعی حیثیت سے بحث ہوتی ہے پھر ہر دفعہ کو لیکر اس پر بحث و تمحیص جاری رہتی ہے۔ بحث میں ممبران کو مکمل آزادیٔ تقریر ہوتی ہے۔ بعض پابندیوں کے ماتحت ممبران ترمیمیں پیش کرسکتے ہیں اور ایوان انہیں تبدیلیاں بھی کرسکتا ہے۔

بحث کے بعد رائے لیجاتی ہے اور قانون بحیثیت مجموعی منظور کرلیا جاتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ کمیٹی سے آنے کے بعد بجٹ فنانس منسٹر کے پاس واپس ہوتا ہے اور وہ اسے سینیٹ کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اب اس کے نفاذ میں صرف چند ہی ہفتے کی دیر رہ جاتی ہے۔ اس لئے سینیٹ جلد ہی جلدی اس پر غور کرکے کچھ ترمیمات کرتا ہے۔

دونوں ایوانوں میں اختلافات پیدا ہوجانے کی صورت میں بجٹ پھر چیمبر کو واپس ہوتا ہے۔ چیمبر دوبارہ سینیٹ کے پاس بھیجتا ہے۔ اس دوران میں کانفرنس کمیٹیاں سمجھوتے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ صرف اختلافی نکات پر بحثیں ہوتی ہیں اور تصفیہ ہوجاتا ہے۔ اور مکمل قانون سرکاری اخبار میں چھپ جاتا ہے۔

دونوں ایوانوں میں سے کوئی ایوان بجٹ کو نامنظور نہیں کر سکتا۔ صدر کے اعلان کے بعد سال کے پہلے دن سے اس پر عمل درآمد شروع ہو جاتا ہے۔

پارلیمنٹ کا تیسرا کام وزارت کی ذمہ داریوں کا تعین اور افسرانِ انتظامی کی نگرانی ہے۔ فرانس کا پارلیمنٹری سسٹم برطانیہ سے اخذ کردہ ہے مگر عملاً فرانس کی پارلیمنٹ برطانیہ کی پارلیمنٹ سے بہت مختلف ہے۔

برطانیہ میں وزارت ایوان کے سامنے جوابدہ اور اپنے طرزِ عمل کی ذمہ دار ہونے کے ساتھ ہی مستحکم بھی ہوتی ہے۔ مگر فرانس میں وزارت بہت غیر مستحکم ہوتی ہے۔ بار بار اور بہت جلد نازک صورتِ حالات پیدا ہو جاتی ہے اور چیمبر اور حکومت کے درمیان بار بار تصادم ہوتا ہے۔

انیسویں صدی کے وسط سے لیکر ۱۹۱۴ء تک انگلستان میں صرف بارہ وزیر اعظم بدلے گئے۔ برخلاف اس کے فرانس میں ۱۹۰۰ء سے لیکر ۱۹۱۴ء تک صرف چودہ برس کے عرصہ میں بارہ دفعہ وزارت تبدیل ہو گئی۔ ۱۸۳۰ء سے لیکر ۱۹۱۴ء تک انگلستان میں گیارہ مختلف وزارتوں کا دَور دَورہ رہا۔ فرانس میں اس عرصہ میں پچاس وزارتیں قائم ہو ہو کر ٹوٹ گئیں۔

ان اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان میں ایک وزارت کم سے کم چند برس تک زندہ رہنے کی ضرور توقع کر سکتی ہے۔ اور اسے یقین ہوتا ہے کہ اپنی بعض حکمتِ عملیاں چلا سکیگی۔ فرانس میں وزارت کو اپنے قلمدان کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ وہ اصلاحات کا ایک وسیع پروگرام تو شائع کرتی ہے مگر یہ اچھی طرح جانتی ہے کہ اپنے مواعید کی تکمیل کیلئے زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکے گی۔ اس طرح بعض اہم مسودات سالہا سال تک غیر فیصلہ کن حالت میں پڑے رہتے ہیں۔ اور وزارتوں کے چراغ جلتے اور بجھتے رہتے ہیں۔

اس کی سب سے بڑی وجہ پارلیمنٹ میں سیاسی پارٹیوں کی زیادتی ہے۔ پیچھے کسی جگہ چیمبر کے ماحول کا خاکہ پیش کرتے وقت ہم نے پارٹیوں اور وزارت کے متعلق ایک مجمل سا اشارہ کیا تھا۔ یہاں تفصیل سے کام لیتے ہوئے سیاسی پارٹیوں کے وجود پر پوری طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

انگلستان میں بلاشبہ بہت سی پارٹیاں ہیں اور بعض اوقات سیاسی الجھنیں کافی صبر آزما ہو جاتی ہیں مگر پھر بھی قوم کی سیاسی زندگی دو بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں تک محدود رہتی ہے جن میں سے ہر پارٹی اپنی جگہ کافی قوت اور رسوخ کی مالک ہوتی ہے اور اس طاقت کے بل پر حکومت کو چلا سکتی ہے۔ مگر فرانس میں کوئی ایک پارٹی بھی اتنی قوی نہیں ہوتی کہ تنہا حکومت چلا سکے۔ اور حکومت حاصل کر کے اسے کامیابی کیساتھ چلا سکنے کیلئے اسے ایوان کی کئی دوسری پارٹیوں کی مدد حاصل کرنی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی حکومت ہمیشہ غیر مستقل رہتی ہے۔

پارٹیوں کے مضبوط نہ ہونیکا سبب یہ ہے کہ تمام ملک کی وسعتوں میں انکی شاخیں اس طرح نہیں پھیلی ہوئیں جس طرح امریکہ اور انگلینڈ وغیرہ ملکوں کی سیاسی پارٹیاں منظم طور پر ملک کے ہر حصے میں کام کرتی ہیں۔ غالباً زیادہ صحیح ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ پارٹیوں کی جگہ ملک، رجحانات کے اعتبار سے بٹا ہوا ہے۔ ایک حصہ کلیسائی بادشاہیت پسندوں کے ساتھ ہے۔ دوسرا معتدل جمہوریت پسندوں کے ساتھ ہے تیسرا انتہا پسندوں کا ہمنوا ہے اور چوتھا سوشلسٹوں کے زیر اثر ہے۔

انگلینڈ میں قدامت پسند، لبرل اور لیبر پارٹیاں ملک کے ہر ہر حصہ میں شاخیں قائم کر کے لوگوں کو ان میں شامل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ فرانس میں صورت اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہاں شاخیں قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ افراد ملک میں سے جو جو جس جس پارٹی کے خیالات سے متفق ہوتے ہیں اس کے حق میں رائے

دے دیتے ہیں۔

گویا انتخاب رجحانات کے درمیان ایک جنگ ہوتی ہے۔ کسی گروپ کی مرکزی کمیٹی اُمیدوار کو مالی امداد دے سکتی ہے یا اس کی ہمت افزائی کر سکتی ہے لیکن وہ اپنے آپ کو اس پارٹی کا نمائندہ ظاہر نہیں کرتا بلکہ خود اپنے بل بوتے پر بطور امیدوار کھڑا ہوتا ہے۔

لوکل کمیٹیاں صرف اسی مطلب کیلئے بنائی جاتی ہیں کہ اُن کے ذریعے کمیٹیوں کے ممبران پارلیمنٹ کے کسی گروپ کے خیالات سے وابستگی کا اظہار کریں یا مقامی طور پر اقتدار حاصل کر کے خطابات اور عام فائدوں میں سے اپنے لئے اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کیلئے کچھ نہ کچھ حاصل کریں۔ مقامی اداروں کی غرض سیاسی اور انتخابی لڑائیاں لڑنا نہیں ہوتی۔

فاسسزم کی جانب رجحان رکھنے والے فرانس کے جمہوری نظام کی اس خاصیت پر اعتراض کرتے ہوئے جذبۂ جمہوریت پسندی کو اس سیاسی عدم اطمینان کا ذمہ وار ٹھہراتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ وزارت کے اس قدر جلد جلد تبدیل ہونے سے نظامِ حکومت میں ایک قسم کی مستقل ابتری پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ فاسسزم کے حامی قوی اور اہل حکومت کو کشور کشائی کا بنیادی ستون خیال کرتے ہیں۔

اس کے برخلاف جمہوریت پرست اس صورتِ حال کو نئی زندگی کی پیدائش سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر تبدیلی جدید تبدیل شدہ ملکی رجحان کا اظہار کرتی ہے۔

باب ۱۵

سیاسی پارٹیاں

فرانس میں ۱۸۷۱ء سے شہنشاہیت پسندوں اور جمہوریت پسندوں کے اختلاف خیالات کی بنا پر پارٹیاں وجود میں آئیں مگر ان دونوں میں سے ایک طبقہ بھی اس قسم کی کوئی پختہ اور کامیاب پارٹی نہ بنا سکا جیسی انگلستان کی پارٹیاں ہیں۔ ۱۸۴۸ء کے بعد سے جب شہنشاہیت قطعی طور پر اڑا دی گئی تو جمہوریت پسندوں کا عروج شروع ہوا۔ اور گو اس کے بعد جتنے جمہوری نظام قائم ہوئے وہ صحیح معنوں میں جمہوریت قائم نہیں کر سکے۔ مگر جمہوریت پسندوں کے اصول فروغ ہی پاتے گئے۔

۱۸۷۱ء کی نمائندہ اسمبلی شہنشاہیت پرست تھی اور اس میں شہنشاہیت پرستوں اور جمہوریت پسندوں کی پانچ اور دو کی نسبت تھی۔ مگر اس وقت بھی ان کی مضبوط اور پختہ سیاسی پارٹیاں نہیں تھیں۔ صرف غیر منظم سیاسی گروہ تھے جو ایک دوسرے سے حسد کرتے تھے۔ شہنشاہیت پسند لیجیٹمیٹس (legitimits)، بربن (Bourbon) اور بوناپارٹسٹ (Bonapartists) گروہوں میں بنٹے ہوئے تھے۔ جمہوریت پسند نسبتاً زیادہ متحد تھے۔ مگر ان میں بھی تین جماعتیں تھیں۔ پہلی ایکسٹریم لفٹ (ExtremeLeft) دوسری لفٹ (Left) اور تیسری سنٹر لفٹ (Centre Left) اور شہنشاہیت پسندوں کی شدید مخالفت کی موجودگی میں بھی یہ تینوں جماعتیں اشتراکِ عمل نہیں کر سکتی تھیں۔

میں انتشار ہوگیا۔

سنہ۱۹۰۱ء سے سنہ۱۹۰۵ء تک سوشلسٹوں میں دو پارٹیاں تھیں ایک کارل مارکس کے فلسفے کی حامی تھی دوسری دیگر جمہوریت پسندوں سے اشتراکِ عمل کرکے ان میں سوشلزم کا پرچار کرنا چاہتی تھی۔ ایمسٹرڈم میں سنہ۱۹۰۴ء میں سوشلسٹوں کی کانگریس ہوئی اور دوسری پارٹی کے عقیدہ کے خلاف تجویز منظور ہوئی۔ اس سے فرانس میں سوشلسٹوں کے اتحاد کیلئے میدان صاف ہوگیا۔ سنہ۱۹۰۵ء میں روئیں کے مقام پر کانگریس ہوئی اور متحدہ سوشلسٹ پارٹی کا قیام عمل میں آیا جس کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) سوشلسٹ پارٹی ایک جماعتی پارٹی ہے جس کا مقصد ذرائع پیداوار اور تبادلے میں سوشلزم کا اثر ونفوذ داخل کرنا ہے۔

(۲) پارلیمنٹ کے تمام سوشلسٹ ممبران پارلیمنٹ کی اُن تمام پارٹیوں کیخلاف ہوں گے اور وہ ان ذرائع کے قیام میں کوئی امداد نہیں کریں گے جن سے بوژروا کا پارلیمنٹ میں کوئی غلبہ ہو۔ وہ مزدور جماعت کے حقوق اور ان کی آزادی کیلئے جدوجہد کریں گے۔

(۳) اصول اور حکمت عملی کے سلسلے میں اخبارات میں اظہار رائے کی آزادی ہوگی۔ مگر سوشلسٹوں کی مطبوعات نیشنل کانگریس کے فیصلوں سے ہر حال میں مطابق ہوں گی۔

یونائیٹڈ سوشلسٹ پارٹی کا اثر ورسوخ بہت جلد بڑھ گیا۔ اور روز بروز اُسے ہر جگہ غیر معمولی اکثریت حاصل ہوتی گئی۔ اپنے بنیادی اصولوں پر کامیابی کیساتھ عمل پیرا ہونے کیلئے پارٹی تمام صنعتی جماعتوں کو اپنی پالیسی سے متفق رکھتی ہے۔ فرانس میں سوشلسٹ پارٹی کو حیرت انگیز طور پر تمام قوموں اور پیشوں میں مقبولیت حاصل ہے

چیمبر آف ڈپٹیز میں ابتدا ہی سے جمہوریت پسندوں کو غلبہ حاصل تھا۔ ۱۸۷۵ء میں فرانس نے جمہوری دستور اختیار کر لیا اور یہ ملک میں مقبولیت حاصل کر گیا۔ سیاسی پارٹیوں کی باہمی رقابت بھی کم ہو گئی اور شہنشاہیت پسندوں نے جو جمہوری نظامِ حکومت کے مخالف ہونیکی وجہ سے ریڈیکل کہلاتے تھے اپنی پارٹی کا نام قدامت پسند رکھ لیا۔

اس اثنا میں جمہوریت پسندوں میں بھی بڑی اہم تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ چیمبر میں جمہوریت پسند کچھ بھی نہیں تو سات گروہوں میں منقسم تھے اور یہ سات گروہ ایک ساتھ کام نہیں کر سکتے تھے تاوقتیکہ مخالفوں کی طرف سے بہت زیادہ دباؤ نہ پڑے۔ ۱۸۸۱ء میں اپنے لیڈر گمبٹا کے انتقال پر ایکسٹریم لفٹ پارٹی ٹوٹ کر ریڈیکل پارٹی بن گئی۔

اس کے بعد سے پارلیمنٹ میں تین بڑے سیاسی گروہ ہو گئے۔ قدامت پسند، جمہوریت پسند اور ریڈیکل۔ ان میں سے کوئی پارٹی تنِ تنہا کبھی حکومت نہیں سنبھال سکی اور ہمیشہ دو پارٹیوں کے اشتراک سے کام چلا۔ اب پارٹیوں میں برائے نام تفریق ہے۔ قدامت پسندوں میں اب شہنشاہیت پسندی کا جذبہ نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح جمہوریت پسندوں میں ہر خیال کے لوگ شامل ہیں۔

سوشلسٹ پارٹی گو حقیقت میں بہت پہلے سے فرانس میں سوشلزم کے عقائد کی پرورش ہو رہی تھی مگر پارلیمنٹ میں سوشلزم کا حامی عنصر ۱۸۹۳ء سے داخل ہوا جب کہ انتخابات میں سوشلسٹوں کے حق میں ووٹ پڑے اور چیمبر آف ڈپٹیز میں چالیس سوشلسٹ ممبر آئے۔ ۱۸۹۶ء تک سوشلسٹ متحدہ ہو کر کام کرتے رہے۔ ۱۸۹۹ء میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ایک سوشلسٹ لیڈر ملیرانڈ کو وزیر تجارت کا عہدہ قبول کر لینا چاہیئے یا نہیں؟ اس سوال پر سوشلسٹوں کی پارلیمنٹری جماعت

متعدد تعلیم یافتہ دولتمند اور صاحب حیثیت افراد سوشلسٹوں کے ہمنوا ہیں۔ متعدد سوشلسٹ لیڈر بوژروطبقے کے ہیں۔

سوشلسٹ جنگ کے خلاف ہیں۔ مگر جب جنگِ عظیم شروع ہوئی اور جرمنی کی طرف سے فرانس پر حملہ کا خطرہ یقینی ہوگیا تو ایک مشترکہ وزارت ترتیب دی گئی۔ اور سوشلسٹ بھی اس میں شریک ہوگئے۔ جب تک جنگ ہوتی رہی یہ وزارت قائم رہی۔ مگر سوشلسٹوں کی ایک جماعت کی مخالفت نے ۱۹۱۶ء میں اس وزارت کو ٹوٹنے پر مجبور کردیا اور ایک اور مشترکہ وزارت بنی جسے سوشلسٹوں کا اعتماد حاصل تھا مگر ان کی مخالفت پھر بھی جاری رہی اور ۱۹۲۰ء تک کئی وزارتیں بنیں اور بگڑیں۔

جنگِ عظیم کے دوران میں چونکہ تمام قوم کی توجہ اپنے تحفظ پر مرکوز تھی پارٹیوں کو آپس کے جماعتی حسد کے اظہار کا کچھ زیادہ موقع نہ ملا۔ جنگِ عظیم ختم ہوجانے پر جماعت بندی کے جذبے نے پھر جوش مارا۔ ریڈیکل سوشلسٹ پارٹی تو اس سعی میں ختم ہی ہوگئی۔ یونائیٹڈ سوشلسٹ اپنا پچھلا وقار حاصل کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوگئی۔ نئی پارٹیاں بھی وجود میں آگئیں۔ ایک کا نام جدید جمہوریت (Dem ocratice Nouvelle) تھا جس نے وزراء پر غیر ضروری حملوں کے خلاف احتجاج کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ قانون ساز اور عاملہ قوتوں کو ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ کرنا چاہیے اور بالشویزم کی مذمت کی۔ ایک دوسری پارٹی خود کو جمہوریت چہارم (Fourth Republic) کہنے لگی۔

جیسا کہ اوپر کسی جگہ ظاہر کردیا گیا۔ فرانس میں وزارتیں پارٹیوں کی باہمی رقابت کی وجہ سے ہی غیر مستحکم رہتی ہیں۔ موجودہ وزیر اعظم ایم ڈلاڈیر کی وزارت سابق وزیر اعظم ایم لاول کی اسی قسم کی شکست کے بعد وجود میں آئی ہے۔

باب ۱۶

شعبۂ انتظامی

جوڈیشنل اور سول ایڈمنسٹریشن فرانسیسی جج وزیر عدل کی طرف سے مقرر کیے جاتے ہیں۔ ان کا تقرر مستقل ہوتا ہے اور اصولاً اور قاعدہ کی رو سے بھی ایک جج کو بلند ترین کورٹ آف اپیل کی مرضی کے بغیر علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وزارت اپنے پسندیدہ لوگوں کو کسی خاص عدالت میں جج بنانا چاہتی ہے تو ان کے واسطے گنجائش نکالنے کیلئے یہ طریقہ اختیار کرتی ہے کہ اس عدالت کے ججوں کو ترقی دیدیتی ہے۔ اور خالی اسامیاں اپنے پسندیدہ افراد کو تفویض کر دیتی ہے۔ وزیر تک رسوخ رکھنے سے ترقی کی امید کی جاتی ہے۔ گویا کسی نہ کسی صورت میں حکومت کا ساتھ دینا ججوں کیلئے مفید ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اپنے ضلع کے ڈپٹیوں سے اچھے تعلقات قائم رکھنا بھی اسی میں آ جاتا ہے۔

ججوں کی تنخواہیں بہت کم ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ اس شعبے کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اعلیٰ کیریکٹر کے قابل آدمی اسمیں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ججوں کے فیصلوں میں بلند پایہ قانونی لیاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ فرانسیسی عدالتوں کے جج نمایاں مجلسی حیثیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ اور ان علاقوں کے باشندوں میں جہاں وہ رہتے ہیں چوٹی کے لوگ سمجھے جاتے ہیں۔

سول سروس سول سروس کے سلسلہ میں اہم ترین بات قابل اظہار یہ ہے کہ یہ شعبہ آبادی کے تناسب سے اتنا وسیع ہے جتنا کسی اور آزاد

ملک کا نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ لوگ سرکاری نوکری حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ وہ حیثیت کے اعتبار سے کتنی ہی ادنیٰ ہو۔ ملازمت میں داخلہ مقابلہ کے امتحان سے ہوتا ہے۔ صرف چند اسامیاں اس سے مستثنیٰ ہیں جن کے عہدیدار وزارت کی تبدیلی کیساتھ بدل جاتے ہیں۔ یہ آسامیاں وزیر اپنی مرضی سے پُر کرتا ہو۔

بڑے بڑے محکموں کے مستقل سرعسکروں کے ذاتی عقائد خواہ کچھ بھی ہوں مگر وہ پوری وفاداری کیساتھ سرکاری فرائض انجام دیتے ہیں۔ فرانس میں ابتدائی تعلیم کو بھی سول سروس سے متعلق سمجھا جاتا ہے۔ سرکاری اعلیٰ مدارس اور یونیورسٹیوں میں مذہبی تعلیم نہیں دی جاتی۔ مدرسوں کے تقرر کے معاملہ میں جماعتی جانبداری کی شکایت کبھی نہیں سُنی گئی۔

افسرِ ضلع پریفیکٹ یا افسرِ ضلع کا تقرر بھی وزارت ہی کرتی ہے اور وہی اسی ملازمت سے علیحدہ کرسکنے کی مجاز ہے۔ کسی امتحان یا مخصوص قابلیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ پریفیکٹ کا عہدہ ایک سیاسی عہدہ ہے۔ پریفیکٹ اور سب پریفیکٹ کُھلم کُھلا حکومت کے نمائندے کیلئے کام کرسکتے ہیں۔

وزرا ایسے آرڈیننس نافذ کرسکتے ہیں۔ جن کا اطلاق شعبۂ انتظام کے علاوہ شہریوں پر بھی ہوتا ہے۔ ملزم ہونے کی صورت میں ایک سرکاری ملازم کی پیشی معمولی عدالتوں میں نہیں بلکہ ایک ایڈمنسٹریٹو ٹریبونل ہی کے سامنے ہوسکتی ہے جو افسرانِ حکومت ہی پر مشتمل ہوتا ہے اور جسے معمولی عدالتوں سے زیادہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

شعبۂ انتظامی میں ہمیں کونسل آف اسٹیٹ کا ذکر بھی کرنا چاہیئے جس کی نظیر برطانوی نظامِ حکومت میں نہیں مل سکتی۔ کونسل ملک کے چند اہم افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ ظاہرا تو صدر جمہوریہ ہی کو ان کے تقرر اور برطرفی کا اختیار ہوتا ہے مگر دراصل

یہ کام وزارت کرتی ہے۔ کونسل کے وجود کا منشا یہ ہے کہ وہ آرڈیننس اور دیگر انتظامی امور کے سلسلے میں امدادی مشورے دے۔ اور ایڈمنسٹریٹو ٹربیونل کے فیصلوں پر بحیثیت آخری کورٹ آف اپیل غور کرے۔

لوکل گورنمنٹ ہر ڈیپارٹمنٹ یا ضلع میں ایک منتخبہ عوام کونسل ہوتا ہے جسمیں ہر کینٹون سے ایک ممبر آتا ہے۔ اسکی مدتِ ممبری چھ برس ہوتی ہے۔ ہر تیسرے برس نصف کونسل بدل جاتی ہے۔ ایک سال میں اس کونسل کے دو اجلاس ہوتے ہیں۔ ایک اجلاس ایک مہینے اور دوسرا ایک عشرے تک رہتا ہے۔ اگر مزید اجلاس منعقد کرنے کی ضرورت پڑے تو انھیں ایک ہفتے سے زیادہ عرصہ تک طول نہیں کھینچنے دیا جاتا۔ کونسل کے محصول لگانے کے اختیارات بالکل محدود ہیں۔ حکومت اسکو عدم رضامندی کی صورت میں توڑ بھی سکتی ہے۔

سڑکوں، اسکولوں اور پاگل خانوں وغیرہ کی دیکھ بھال اس کے حلقۂ عمل میں داخل ہے جو بہت ہی محدود ہے۔ حلقۂ عمل کے محدود ہونیکی وجہ یہ ہے کہ پریفیکٹ مرکزی حکومت کے ایجنٹ کی حیثیت سے وسیع تر اختیارات رکھتا ہے۔ کونسل کسی معاملے میں پریفیکٹ کی رپورٹ حاصل کیے بغیر کوئی فیصلہ کن اقدام نہیں کرسکتی۔ اس کے علاوہ مرکزی حکومت کونسل کے متعدد فیصلوں کو رد بھی کرسکتا ہے۔

مگر اس کے باوجود کہ کونسل کے اختیارات اس قدر محدود ہیں، کونسل کے الیکشن بڑی سرگرمی سے لڑے جاتے ہیں۔ اسکی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کونسل کی ممبری پبلک زندگی کا دروازہ کھولدیتی ہے۔

لوکل گورنمنٹ کا دوسرا قابل ذکر جزو کمیون ہے۔ کمیون کو ہم میونسپلٹی کہہ سکتے ہیں۔ اسکی ایک کونسل ہوتی ہے جس میں دس سے لیکر ۳۶ تک بغیر تنخواہ کے ممبر ہوتے ہیں۔ ان کا انتخاب رائے عامہ سے چار برس کیلئے ہوتا ہے۔

اٹلی

باب ۱

آئینی ارتقاء

انقلاب فرانس یورپ کے ہر ملک کے نظام حکومت پر اثر انداز ہوا۔ اس اثر کے دو کام تھے۔ ایک ترویج جمہوریت دوسرا قوم پرستی کی نشو و نما۔ اطالیہ میں ان دونوں ہی نے اپنی اپنی کار فرمائی دکھائی۔

سنہ ۱۷۹۶ء سے پہلے جزیرہ نمائے اٹلی نظم و نسق کے اعتبار سے بالکل پراگندہ اور غیر منظم تھا۔ نپولین کے حملہ سے ملک میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی جو اتحاد قومی اور قیام جمہوریت کا شدید احساس پیدا کرکے رہی۔ سنہ ۱۷۹۷ء سے لیکر سنہ ۱۸۱۵ء تک (جب نپولین کو زوال ہوا) اٹلی اپنے سیاسی جنم کی ابتدائی منزلیں طے کرتا رہا۔

ابتدائی حالات آسٹریا کے ہیپسبرگ خاندان اور ہسپانیہ کے بربن خاندان نے اٹلی کے اہم اور زرخیز علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ چھ ریاستیں آزاد بھی تھیں مگر تھیں شخصی حکومت کے ماتحت۔ اور یہ ظاہر ہے کہ شخصی حکومت میں ظلم و ستم کے امکانات کچھ کم نہیں ہوتے۔ نپولین کے حملہ نے اٹلی کو اس غیر ملکی استبداد سے آزاد کر دیا۔

نپولین کے حملے کا اثر پہلے سنہ ۱۷۹۶ء اور سنہ ۱۷۹۷ء میں سسپاڈین (Cispa dene) اور ٹرانس پاڈین (Transpadne)

نامی جمہوریتیں قائم ہوئیں ۔ بہت جلد یہ دونوں ایک ہو کر دولتِ مشترکہ سسالپائن بن گئیں ۔ تیسری جمہوریت جینوا میں جمہوریہ لگوریا (Liguria) کے نام سے عالم وجود میں آئی ۔ دسمبر ۱۷۹۸ء میں روما میں بھی پاپائے روما کے اثر کو فرانسیسی اثر و نفوذ سے زوال ہو گیا ۔ اور جمہوریت پسندوں نے ایک جمہوریت قائم کی جو سات کونسلروں کے تحت میں چلتی تھی ۔ جنوری ۱۷۹۹ء میں جنوبی سلطنت بھی جمہوریہ پارتھی نوپیا (Parthinopia) کے نام سے جمہوری سلطنت میں بدل گئی ۔

پہلے یہ طے پایا تھا کہ اٹلی کی جمہوری ریاستیں فرانس کے اثر سے آزاد رہیں مگر بعد کو یہ خیال ترک کر دیا گیا ۔ کیونکہ اول تو یہ قابلِ عمل نہ تھا، دوسرے سیاسی اور تجارتی اعتبار سے اٹلی کی ریاستیں بہر حال فرانسیسی مقبوضے تھیں ۔ پنولین یہ بھی جانتا تھا کہ اٹلی والے حکومت خود اختیاری کو سنبھالنے کے اہل نہیں ہیں ۔ چنانچہ ایک ایک کر کے سب اٹالین ریاستیں دولتِ فرانس میں شامل کر لی گئیں ۔ یوں اٹلی کی سیاسی انفرادیت تو فنا ہو گئی مگر اتنا ضرور ہوا کہ اٹلی پہلی بار کئی طاقتوں کی بجائے ایک حکومت کے ماتحت رکھا گیا ۔ اور کل ملک پر پنولین کا ضابطۂ قانون (Code Napoleon) اور جدید فرانسیسی نظام نافذ ہو گیا ۔ اور ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے لئے قوانین بنے اور سوشل اصلاحیں ہوئیں ۔

پنولین کے بعد ۱۸۱۳ء میں لیپزگ کے مقام پر پنولین کو شکست ہوئی اور اٹلی پر فرانس کا جو اثر تھا اس کا بھی خاتمہ ہو گیا ۔ پہلے کی طرح آسٹریا نے شمال میں اور بربن خاندان نے جنوب میں زرخیز علاقوں پر قبضہ کر لیا ۔ ویانا میں حکومتوں کی کانگریس ہوئی اور اٹلی کے بری طرح حصے بخرے

کردئے گئے۔

آسٹریا کا غلبہ اطالیہ کی قومی وحدت کا شیرازہ بالکل منتشر ہو گیا۔ اور آسٹریا کو پھر اسی طرح غلبہ ہو گیا جس طرح فرانس کو اپنے زوال سے پہلے تھا۔ اب ایک بار پھر مطلق العنان ریاستیں نمودار ہوئیں۔ ان میں نہ کہیں پارلیمنٹ تھی نہ دستور اساسی۔

نیپلز، پیدمانت، مودنیا، پارما اور پاپائے روما کی ریاستوں میں اس ظالمانہ طرزِ حکومت کے خلاف شورشیں برپا ہوئیں اور چند ریاستوں میں عوام کے مطالبات تسلیم کرتے ہوئے حکمرانوں نے دستورِ اساسی بھی بنوا دیے۔ مگر آسٹریا کی مداخلت اور خود نمائندگانِ عوام میں صلاحیت نہ ہونے سے تمام کوششیں بے ثمر ہی رہیں۔

انقلابِ فرانس ۱۸۴۸ء کے انقلاب فرانس نے ایک بار پھر حالات کا نقشہ بدلا۔ مختلف ریاستوں میں بغاوتیں ہوئیں اور خود مختار حکمرانوں کو جمہوری حکومتیں قائم کرنی پڑیں۔ پیدمانت کے شاہ چارلز البرٹ نے اس معاملہ میں پیشقدمی کی اور ۴ مارچ ۱۸۴۸ء کو پیدمانت میں ایک جمہوری آئین نافذ کر دیا جو آج بھی اٹلی کا دستور اساسی ہے۔

چارلز البرٹ کی قیادت میں تمام ملک قومی اعتبار سے کچھ عرصے کیلئے ایک ہو گیا۔ نیپلز اور روما میں بھی جمہور کے دباؤ سے دستوری حکومتیں بنیں۔ مگر غیر ملکی طاقتوں کی مدد سے ان ریاستوں کے مطلق العنان حکمرانوں نے جمہوریت کی چراغ ٹھنڈے کر دیئے اور بہت جلد جمہوریت کو شخصی حکومت میں تبدیل کر لیا۔ صرف پیدمانت ہی ایک ایسی ریاست تھی جس میں دستوری حکومت رہی۔

وحدت قومی کا تصور نوارا میں بُری طرح شکست کھانے کے بعد چارلز البرٹ نے پیڈ مانٹ کی زمامِ سلطنت اپنے لڑکے وکٹر امینوئیل دوم کو سونپ دی۔ وکٹر کو دستور اساسی منسوخ کر دینے کے مشورے دیے گئے مگر اس نے ایک نہ سُنی۔ پیڈ مانٹ روز بروز اٹلی کے وطن پرست طبقے کا مرکز خیال بنتا چلا گیا۔ وکٹر کی تمنا یہ تھی کہ اٹلی سے آسٹریا کے اثر کو ملک بدر کر کے ریاستوں کو برائے نام پاپائے روما مگر در اصل اپنے ماتحت منظم کرے۔

۱۸۵۸ء میں اس نے فرانس سے جارحانہ و مدافعانہ معاہدہ کیا۔ اور ایک جنگ کر کے اٹلی سے آسٹریا کو بالکل خارج کر دیا۔ جہاں تک سیادت کا تعلق ہے اول اول پیڈ مانٹ کو اس جنگ سے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر رفتہ رفتہ ایک ایک کر کے باقی ریاستیں بھی پیڈ مانٹ سے اپنا الحاق کرنے لگیں۔ اپریل ۱۸۶۰ء تک جتنی ریاستیں پیڈ مانٹ سے اپنا الحاق کر چکی تھیں ان میں سے صوبہ وار نمائندگی کیلئے ڈپٹی منتخب کیے گئے۔ اور ۱۲ اپریل ۱۸۶۰ء کو ترقی یافتہ پارلیمنٹ تورن کے مقام پر بلائی گئی۔ ۱۸۶۱ء میں جب یہ پارلیمنٹ دوبارہ تورن میں منعقد ہوئی تو وینیشیا اور روم کو چھوڑ کر باقی کل ریاستیں الحاق منظور کر چکی تھیں۔

قومی اتحاد البرٹ کا دستور اساسی اب کل ملک میں نافذ ہوا۔ اور قوم کی مرضی سے وکٹر امینوئیل دوم کو شاہ اٹلی تسلیم کر لیا گیا۔ ۱۸۶۶ء میں وینیشیا اور ۱۸۷۰ء میں روم بھی عوام کی رائے شماری پر جمہوریت میں شامل کر لئے گئے اور ۱۸۷۱ء میں نومبر کے مہینے میں ۱۸۴۸ء کے بعد گیارہویں اٹالین جمہوریت کے قیام کے بعد چوتھی اور مکمل اتحاد کے بعد پہلی اٹالین پارلیمنٹ بلائی گئی۔

دستور کی دو خصوصیات اٹلی کے دستور کی دو خصوصیات خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔ چونکہ یہ شاہی آئین تھا اس میں دستوری ترمیمات کیلئے کوئی دفعہ نہیں رکھی گئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ بادشاہ ہی اس میں ترمیم کرسکتا تھا۔ مگر عملاً صورتِ حال ہمیشہ اس کے برعکس رہی۔ دستور بنانے سے قبل پیدمانٹ کا بادشاہ اسی طرح لامحدود اختیارات کا مالک تھا جس طرح کسی اور شخصی حکومت کا حکمراں ہو سکتا ہے۔ مگر رعایا کو آئین بخشنے کے بعد وہ اپنے شاہانہ اختیارات کے ایک بڑے حصے سے دستبردار ہوگیا اور معاملات ملکی میں اُس نے دستوراساسی قومی پارلیمنٹ اور کیبنٹ کی منظوری کی پابندی اپنے اوپر لے لی۔ گویا آئین بادشاہ اور رعایا کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا جسے بادشاہ نے ناقابلِ شکست تسلیم کرلیا۔

یوں نمائندہ اسمبلی ہی اسے بدلنے کی حقدار رہی۔ چنانچہ دستور منظور ہونے کے فوراً بعد ہی ایک قانون پاس ہوگیا تھا کہ ایک نمائندہ اسمبلی بلائی جائے۔ مگر چونکہ آسٹروی جنگ کا خاتمہ بہت بھیانک طور پر ہوا تھا یہ جماعت جمع نہ ہوئی۔

دستور پر رسم و رواج کا اثر ۱۸۴۸ء سے اب تک دستور میں کسی نئی دفعہ کا اضافہ نہیں ہوا ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ آئینی طور پر کسی ترمیم کی اجازت نہیں ہے۔ یوں ہونے کو ایک سے زیادہ مرتبہ ترمیمیں ہوئی ہیں۔ مگر ان پر عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

اس صورتِ حال کی دو وجوہات ہیں۔ اول تو جہاں بعض دوامی اہمیت کے معاملات جیسے حقوقِ شہریت پر دستور میں معیّنہ دفعات موجود ہیں؛ ہاں

وقتی اہمیت کی چیزوں جیسے نمائندہ اسمبلی کی تشکیل وغیرہ کے سلسلے میں بھی کافی گنجائش رکھی گئی ہے۔ دوسرے اٹلی میں دستور اساسی صرف نظامِ حکومت کی حدیں مقرر کرتا ہے۔ باقی کاروبارِ حکومت زیادہ تر رسم ورواج اور معمولی قانون سازی سے چلتا ہے۔

چنانچہ جب کبھی ضرورت ہوتی ہے اٹالین پارلیمنٹ دستور میں ترمیم کرکے یا اس میں اضافہ کرکے یا اس کی نفی کرکے نئے قانون بناتی اور نافذ کرتی رہتی ہے۔ البتہ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ایسے قانون عوام کی مرضی سے ضرور مطابقت رکھتے ہوں، مگر قانونی طور پر پارلیمنٹ اس معاملہ میں آزاد ہے کہ وہ نظامِ حکومت میں جتنی تبدیلی چاہے کرے۔

مسولینی کی ڈکیٹٹری کے عہد کے آغاز سے اٹالین پارلیمنٹ اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے سولینی کی فاسسٹ پارٹی کے مقابلے میں اب اٹلی میں کوئی دوسری پارٹی نہیں ہے جو برسرِ اقتدار پارٹی کی مخالفت کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاسِسزم کا بنیادی اصول یہی ہے کہ ایوانِ حکومت میں صرف ایک پارٹی ہونی چاہیئے اور مخالف جماعت کو کچل کر بالکل نیست ونابود کردینا چاہیئے اس اعتبار سے ایک جمہوری اور ڈکیٹٹری حکومت میں زمین آسمان کا فرق ہے کیونکہ جمہوریت میں ہر خیال کی جماعتوں کو ملک کے سامنے اپنے اپنے خیالات پیش کرنے کی آزادی ہوتی ہے اور عوام کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ جس پارٹی کے پروگرام کو اپنے لئے زیادہ مفید خیال کریں اسی کو برسرِ اقتدار لائیں۔

باب ۱۵

عناصر دستور

بادشاہ اور وزرا

بادشاہ کی دستوری حیثیت جن لوگوں کی سعی و کوشش سے اٹلی کا سیاسی اتحاد عمل میں آیا اُن کے ذہن حریت و مساوات سے لبریز تھے۔ مگر جب نئی حکومت بنی تو بادشاہ کا رکھنا ضروری معلوم ہوا۔ اسکی وجہ اول تو یہ تھی کہ بادشاہ کا وجود ہی اتحادِ قومی کا مرکز بن سکتا تھا۔ دوسرے چونکہ پیڈ مانٹ کے تاجداروں کی سعی و دستور بخشی سے اٹلی کے سیاسی اتحاد کی بُنیاد پڑی تھی اس لئے پیڈ مانٹ کی سیادت مسلم رہی۔

دستور کی رُو سے خاندان سیوائے (House of Savoy) میں اٹلی کا شاہی تخت خاندانی وراثت ہے۔ سالک لا (Salic Law) کی رُو سے صرف مرد تخت پر بیٹھ سکتے ہیں۔ تاجدار کو مقدس اور کسی جابرانہ اقدام سے بالا سمجھا جاتا ہے اسے ایک کروڑ پچاس لاکھ ساٹھ ہزار لائر (اطالوی سکہ) ملتا ہے جس میں سے ایک لاکھ سالانہ حکومت کو دوبارہ ادا کر دیا جاتا ہے۔

اصولاً بادشاہ کے اختیارات بہت وسیع ہیں مگر عملاً اور انفرادی حیثیت میں بہت محدود ہیں۔ دستور اساسی کا ناقابل ترمیم سیاسی کلیہ یہ ہے کہ تمام حکومت کی باگ ڈور وزیروں کے ہاتھ میں رہیگی اور وہ ایوانِ عام (Chamber of Deputies) کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔

ویٹو کا اختیار بادشاہ کو ہے مگر برائے نام۔ وہ معاہدے جو مالیات یا حدود سلطنت سے متعلق ہوتے ہیں ایوانوں کی منظوری کیلئے اُن کے سامنے رکھے جاتے ہیں۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بادشاہ کا نظامِ حکومت پر کوئی اثر نہیں ہے خارجی معاملات میں اس کی رائے بہت وزنی سمجھی جاتی ہے۔ کبھی کبھی کیبنٹ کے جلسوں میں بھی بادشاہ شریک ہوتا ہے اور ان کی صدارت کرتا ہے۔ ذاتی طور پر وہ اطالین افواج کا کمانڈر انچیف ہوتا ہے۔ وہی وزیر اعظم کا تقرر کرتا ہے اور اس معاملے میں کافی آزاد ہوتا ہے۔ وزیروں پر اُسے اتنی دسترس ہوتی ہے کہ وہ انھیں معزول کرسکتا ہے۔

بادشاہ اور وزارت کے تعلقات

وزارت میں محکموں کے اعلیٰ افسر ہوتے ہیں۔ بادشاہ وزیر اعظم کو نامزد کرتا ہے اور وزیر اعظم اپنے ساتھی وزیروں کے نام بادشاہ کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ بادشاہ ضابطہ کی خانہ پُری کر کے سرکاری طور پر اُن کے تقرر کی منظوری دے دیتا ہے۔

یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جو شخص وزیر بنے وہ دونوں ایوانوں میں سے کسی ایک کا ممبر بھی ہو۔ اگر وزیر ممبر نہ ہو تو رواج کے مطابق وہ ایوانِ عام (Chamber of Depitis) کی اس نشست پر قابض ہونے کی کوشش کرتا ہے جو خالی ہو۔ البتہ اگر وہ سنیٹر بنا دیا گیا ہو تو پھر اُسے ممبری کی ضرورت نہیں رہتی۔

اصل میں زیادہ تر وزراء ایوانِ عام ہی کے ممبروں میں سے لیئے جاتے ہیں۔ وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر بہت کم سنیٹر متمکن ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ وزراء

جنگ اور وزرا و بحر فنی قابلیت کی بنا پر مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور فنی قابلیت کے آدمی سنیٹ ہی میں ملتے ہیں اس لئے ان عہدوں پر اکثر سنیٹروں ہی کا تقرر ہوتا ہے۔

ہر وزیر کا ایک خاص سکریٹری ہوتا ہے اس کا تقرر بھی سرکاری طور پر ہی ہوتا ہے۔ فرداً فرداً وزرا اپنے اپنے محکموں کی غور و پرداخت کرتے ہیں اور مجموعی طور پر یعنی کابینہ کی شکل میں وہ ملکی پالیسی اور قانون بناتے ہیں۔

وزرا اور قانون سازی

حکومت کے پیش کردہ مسودے یا بل آئینی طور پر پہلے وزرار کی کونسل میں آتے ہیں۔ ان کے علاوہ وہ مسائل بھی جو عہدناموں، انتظامی امور، کلیسا، ایوانوں کی عرضداشتوں سنیٹروں کی نامزدگی، سیاسی امور کے سلسلہ میں نمائندوں کے انتخاب وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں وزرا ہی کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔

وزرا اور اُن کے معتمد دونوں ایوانوں میں آسکتے ہیں، اور بحث میں حصہ بھی لے سکتے ہیں۔ مگر اپنی رائے اسی ایوان میں دے سکتے ہیں جس کے وہ حسب قاعدہ ممبر ہوں۔ ایوان وزیروں کو شریک اجلاس ہونے پر مجبور تو نہیں کر سکتے البتہ یہ درخواست ضرور کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی دن تشریف لاکر ایوان کو ممنون ہونے کا موقع دیں۔ ایسی درخواستیں عموماً کی جاتی ہیں اور جس وزیر سے درخواست کیجائے وہ اُسے رد نہیں کر سکتا۔

وزرا اور پارلیمنٹ

فرانس کی پارلیمنٹ کی طرح اٹلی کی پارلیمنٹ بھی اپنے وزرا کی نقل و حرکت اور ان کے قول و فعل پر بڑی کڑی نگرانی رکھتی ہے۔ اٹلی کے وزرا سے آزادانہ سوالات کئے جاتے ہیں اور فرانس میں وزرا کے خلاف عدم اعتماد کے اظہار کا جو مخصوص طریقہ رائج ہے وہی اٹلی میں بھی استعمال

کیا جاتا ہے۔

بعض اوقات دستاویزیں ایوان کے سامنے رکھنے اور بعض باتوں کا تحریری ثبوت مہیا کرنیکا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ یہ بات وزیر کے اختیار میں ہے کہ وہ تحریری ثبوت مہیا کرنے یا مسودے دکھانے سے صاف انکار کر دے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا کرنا اپنے قلمدانِ وزارت کو خطرہ میں ڈالنے کے مرادف ہے۔ غرض وزارت کا راستہ بہت پُرخار ہوتا ہے۔ بعض دفعہ بہت ہی نازک موقعوں پر اعتماد یا عدم اعتمادِ وزارت کا سوال اٹھا دیا جاتا ہے اور اس کی پوزیشن بالکل غیر مستحکم رہتی ہے۔

وزراء کی مشکلات بعض دیگر پہلوؤں سے بھی اٹالین وزارت کمزور رہتی ہے مگر بادشاہ کے نام پر عاملانہ طاقت وزارت ہی استعمال کرتی ہے تاہم اس معاملہ میں پارلیمنٹ پر پورا قابو نہیں رکھ سکتی اور انتظام مملکت میں اسے ممبرانِ پارلیمنٹ کی مداخلت برداشت کرنی پڑتی ہے۔

قانون سازی میں بھی ایوانِ عام بڑی آسانی سے اس کے قابو سے نکل جاتا ہے اور جو اصلاحات یہ نافذ کرنا چاہتی ہے نہیں کر سکتی۔ وزارت پوری کوشش کرتی ہے کہ عاملہ اور قانون ساز حکمراں اداروں اور طاقتوں میں ہم آہنگی رہے۔ مگر ایوانِ عام میں اسے مسلسل شکستیں ہوتی رہتی ہیں اور سیاسی پارٹیوں کے غیر منظم ہونے سے اس کے عزائم کا راستہ بالکل مسدود ہو جاتا ہے۔

البتہ آرڈیننس بنانے میں اسے ایوان پوری آزادی دیدیتے ہیں۔ گاہے گاہے ان اختیارات سے کام لیتے ہوئے وزارتِ وقت ہنگامی قوانین تک بنا لیتی ہے یا ایسے قوانین نافذ کر دیتی ہے جن سے پارلیمنٹ کے آئین کی کھلی تردید ہوتی ہے۔ ڈکٹیٹر مسولینی کے عہد میں ان اختیارات سے بہت دفعہ کام لیا گیا ہے۔

باب ۱۹

اطالوی جمہوریت کے عناصر

سنیٹ اور چیمبر آف ڈپیٹیز

سنیٹ کی تشکیل سنیٹ کو ہم اٹالین پارلیمنٹ کا نامزد ایوان بالا کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس کے ممبروں میں ایک تو شاہی خاندان کے وہ افراد ہوتے ہیں جو اکیس برس کی عمر کو پہنچنے کے بعد اپنی موروثی حق کی بنا پر سنیٹ کے ممبر بن جاتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جنھیں بادشاہ سنیٹ کی ممبری پر مقرر کرتا ہے۔

سنیٹ کے ممبروں کے تقرر کے معاملے میں بادشاہ کسی ایسے قاعدے کا پابند نہیں ہے جس سے ممبروں کی تعداد مقرر ہو گئی ہو۔ مگر وہ اس دستوری قاعدہ کو نظرانداز نہیں کر سکتا کہ سنیٹر کی عمر کم سے کم چالیس سال کی ہونی چاہیئے۔ کلیسا اور حکومت کے افسرانِ اعلیٰ بلند پایہ ادیب یا علمائے سائنس یا وہ لوگ جنکی قابلیت یا خدمات سے ملک کی عزت میں اضافہ ہوا ہو یا جو تین ہزار لائر سالانہ ٹیکس دیتے ہوں سنیٹر بن سکتے ہیں۔

چیمبر آف ڈپیٹیز یا ایوانِ عام میں ۵۰۸ ممبر ہوتے ہیں جو براہِ راست ووٹنگ سے چُنے جاتے ہیں۔ مدتِ ممبری پانچ برس ہے۔ مگر پوری مدتِ عمر سے قبل ایوان کا ٹوٹ جانا یقینی ہوتا ہے۔ اور دو انتخابوں میں درمیانی وقفہ تین ہی برس کا رہتا ہے۔

شرائط ممبری یہ ہیں کہ عمر تیس برس سے کم نہ ہونی چاہیئے۔ تمام سیاسی اور مجلسی حقوق حاصل ہوں۔ پادری اور سرکاری نوکر ممبر نہیں ہو سکتے۔ یہ ضروری نہیں کہ امیدوار جس علاقہ سے ممبری کیلئے اٹھا ہے اس کا باشندہ بھی ہو۔

۱۹۱۲ء سے ممبروں کو چھ ہزار لائر سالانہ تنخواہ ملتی ہے۔ منتخب ہونے کیلئے امیدوار کو کل ووٹروں میں سے ⅛ حصّے سے زیادہ کی رائیں ضرور حاصل کرنی چاہئیں اگر ایوان پہلے انتخاب کے شمار کے بعد یہ معلوم ہوا کہ کبھی امیدواروں میں سے ایک بھی اس معیار پر پورا نہیں اتر سکا تو دوبارہ انتخاب ایک ہفتہ بعد ہوتا ہے۔

طریق انتخاب انتخاب کا طریق بالکل سادہ ہے۔ پولنگ کے کمرہ میں ایک میز رکھی جاتی ہے اس میز پر شیشے کے دو چوکور بکس رکھتے ہیں۔ ایک خالی ہوتا ہے دوسرے میں ووٹنگ کی پرچیاں ہوتی ہیں۔ حروف تہجی کے لحاظ سے ووٹروں کے ناموں کی فہرست پڑھی جاتی ہے۔ اپنا نام سُن کر ووٹر آگے آتا ہے۔ اُسے پرچی دی جاتی ہے۔ وہ پرچی لیکر برابر والی میز پر چلا جاتا ہے۔ اس امیدوار کا نام جسے وہ ممبر بنانا چاہتا ہے، پرچی پر لکھتا ہے، پرچی کو لپیٹتا ہے اور خالی بکس میں جو اسی غرض کیلئے رکھا جاتا ہے ڈالدیتا ہے۔

انتخاب حسب قاعدہ ۹ بجے سے چار بجے تک ہوتا ہے۔

حقوق رائے دہی ۱۸۶۰ء کے ایک قانون کی رُو سے حق رائے دہی صرف اُن تعلیمیافتہ صاحب جائداد مردوں تک محدود تھا جن کی عمر پچیس برس کی ہوتی تھی اور جو کم از کم چالیس لائر سالانہ ٹیکس دیتے تھے۔ مگر اس شرط کے ماتحت کل آبادی کا صرف دو فیصدی حصہ رائے دے سکتا تھا۔ ۱۸۸۲ء میں عمر پچیس سے اکیس کر دی گئی اور ٹیکس چالیس کی جگہ انیس لائر اسّی سینٹی ہو گیا۔ تعلیم کی قید البتہ برقرار رکھی گئی۔ اس طرح سے ووٹروں کی تعداد میں خاصا اضافہ

ہوگیا۔ ۱۹۱۲ء سے قبل ووٹر بننے کیلئے مندرجہ ذیل باتیں ضروری تھیں۔
(۱) اطالوی شہریت (۲) عمر اکیس برس (۳) تعلیم۔ مگر ۱۹۱۲ء میں حق رائے دہی کو وسیع کرنے کیلئے پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا جس سے ہر بالغ مرد شہری کو رائے دینے کا حق حاصل ہوگیا۔

اٹالین پارلیمنٹ کا طریق کار دو ایوانوں کے اجلاس ایک ساتھ شروع اور ختم ہوا کرتے ہیں۔ دستور کی رُو سے ہر سال ایک اجلاس کرنا ضروری نہیں ہے۔ مگر انتظامی شعبوں کی ضروریات مجبور کرتی ہیں کہ سال میں ایک مرتبہ پارلیمنٹ کا اجلاس ضرور ہو۔ بعض اوقات تمام سال پارلیمنٹ کا اجلاس ہوتا رہتا ہے۔ اور کبھی کبھی پورے دو برس تک اجتماع جاری رہتا ہے۔

سنیٹ میں صدر اور نائب صدر بادشاہ کے نامزد ہوتے ہیں سیکرٹریوں کا تقرر ممبر خود کرتے ہیں۔ چیمبر میں تمام افراد پورے سشن کے لئے چنے جاتے ہیں۔ یہ کام چیمبر کے ممبران ہی کرتے ہیں۔ برطانوی دارالعوام کے اسپیکر کی مانند چیمبر کا صدر عام طور پر دوبارہ منتخب ہوجاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ خدمت انجام دینے پر آمادہ ہو۔ اس کے انتخاب میں پارٹیوں کے اختلافات کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔

چیمبر کے ممبر نو اور سنیٹ کے ممبر پانچ حصّوں میں منقسم ہوتے ہیں ان حصّوں کو اوفیسی (Uffici) کہتے ہیں، ہر دو مہینے کے لئے رائے شماری سے اوفیسی بنتے ہیں۔ اوفیسی کا کام ایوان کی کمیٹیاں منتخب کرنا ہوتا ہے۔ دونوں ایوانوں میں بجٹ کی کمیٹی جو سب کمیٹیوں میں اہم ترین ہوتی ہے کل ممبروں کے جلسہ میں منتخب ہوتی ہے۔ چیمبر میں بعض دیگر کمیٹیاں بنانے کے لئے بھی یہی طریقہ

اختیار کیا جاتا ہے۔

ایوان اپنے طریق کار کا ضابطہ خود مرتب کرتے ہیں۔ اجلاس پبلک کیلئے کھلے ہوتے ہیں۔ دس ممبروں کی تحریک پر اجلاس بند کمرہ میں ہو سکتے ہیں۔ دستور اُسرکاری زبان اٹالین ہے۔ جب تک ایوانوں میں ممبروں کی یقینی اکثریت موجود نہ ہو سیشن یا دوٹ مُسلّم نہیں سمجھا جاتا۔ ایوان اپنے ممبروں، وزراء اور حکومت کے کمشنروں کے علاوہ کسی وفد یا فریادِ واحد کی درخواست کی سماعت نہیں کر سکتے۔

اسوقت بادشاہ سنیٹ سے ہائی کورٹ کا کام بھی لے سکتا ہے۔ جب بغاوت یا تحفظ مملکت یا وزراء پر الزام لگائے جانے کے مقدمات درپیش ہوں۔ تمام مالی مسودے پہلے چیمبر میں آتے ہیں۔ ضروری مسودے اکثر وزیر اعظم یا کسی اور وزیر کیطرف سے پیش ہوتے ہیں۔

مگر اٹلی میں انگلستان کی بہ نسبت غیر سرکاری ممبر زیادہ مسودے پیش کرتے ہیں۔ انھیں پہلے سنیٹ اور چیمبر کی مرضی حاصل کرنی ہوتی ہے۔ وزارت کسی غیر سرکاری ممبر کے مسودے کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھتے ہوئے بھی ممبر مذکور کو مسودہ ایوان کے سامنے لانے سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کرتی۔ لیکن ڈکٹیٹرشپ کے دوران میں چونکہ ایوان ہائے حکومت میں صرف ایک ہی پارٹی رہ گئی ہے اور وہی برسر اقتدار ہے اس لئے اٹالین دستور کی یہ دفعہ معطل سی ہو گئی ہے۔ موجودہ حالات میں قانون سازی برسرِ اقتدار سیاسی جماعت ہی کی مرضی کا دوسرا نام ہے۔ اس پر بحث کرنے کی یہ جگہ نہیں ہے کہ ایسا کرنا کس حد تک ملک کیلئے مضر یا مفید ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ طریق کار خلاف جمہوریت ضرور ہے۔

باب ۲

ملک کی سیاسی فضا

پارٹیاں

کلیسا اور حکومت کی کشمکش اٹلی میں کلیسا اور حکومت کے درمیان اس وقت سے کشیدگی چلی آئی ہے جب وکٹر ایمنوئل نے روم کو دارالخلافہ بنانے اور پاپائے روم کے علاقہ کو سلطنت میں شامل کرنے کیلئے پوپ پر لشکر کشی کی تھی اور اس کو اٹلی کی متحدہ حکومت کے مطالبہ کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ ذکر ۱۸۷۰ء کا ہے۔

اس لشکر کشی کا مطلب پاپائے روم کو اس کی جاگیر اور حقوق سے دستبردار کرنا نہیں تھا اس لئے انھیں بحال رکھ کر کلیسا کو ہر معاملہ میں آزادی دیدی گئی۔ مگر یہ شرط لگا دی کہ کلیسا کو عام ملکی قانون کے اندر رہنا پڑے گا۔

پوپ پوئی نہم نے اس صورتِ حال کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور شاہی وظیفے کو بھی ٹھکرا دیا جو دل رکھنے کیلئے حکومت کی طرف سے مقرر ہوا تھا اور بیرونی کیتھولک حکومتوں سے ساز باز کر کے متحدہ اٹلی کی حکومت کو ختم کرنا چاہا۔ اس میں کلیسا کو کامیابی نہ ہوئی اور اس نے مایوس ہو کر حکومت سے عدم تعاون کی پالیسی اختیار کر لی۔

کلیسا کی طرف سے حکومت کا بائیکاٹ ۱۸۸۳ء میں پوپ لیو سیزدہم نے ایک فرمان کے ذریعہ کیتھولک

فرقے کے افراد کو پارلیمنٹ کے انتخابوں میں رائے دینے یا حکومت کا کوئی عہدہ قبول کرنے کی ممانعت کر دی۔ چند سال بعد اسی قسم کا ایک اور فرمان جاری ہوا۔ ان فرمانوں کا ملک کی سیاسیات پر خاطر خواہ اثر تو نہیں ہوا۔ مگر کیتھولک فرقے اور قوم پرست اہل اٹلی کے درمیان ایک قسم کی دیوار حائل ہو گئی۔

بائیکاٹ کا نتیجہ کلیسا کی طرف سے حکومت کے بائیکاٹ کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ایوانِ حکومت میں مختلف خیالات کی سیاسی پارٹیوں کی کش مکش سے جو زندگی پیدا ہوتی ہے اطالوی پارلیمنٹ میں وہ زندگی پیدا نہ ہوئی۔ بقول ایک اٹالین مصنف کے اٹلی کی سیاسی پارٹیوں کا مطمحِ نظر تاریخی اور سیاسی تاثرات سے متاثر ہونے کی بجائے ہمیشہ خالص ذاتی ضروریات سے اثرات لیتا رہا۔ اس سلسلہ میں دو باتیں خصوصیت کیساتھ قابلِ توجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ قدامت پسند پارٹی وجود میں نہ آسکی جو معاملات حکومت میں آزاد خیال جماعت کی مخالفت کرتی۔ دوسرے آزاد خیال جماعت جو قدامت پسندوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر جمہوری ملک میں متحد رہتی ہے مختلف شاخوں میں تقسیم ہو گئی۔

پست معیار سیاسیات چنانچہ پارٹیوں کی تنظیم اور پارٹیوں کو چلانے کے گُر جاننے کا اٹالین سیاسیین کو موقع ہی نہیں ملا۔ چیمبر میں اور تمام ملک میں سیاسی پارٹیوں کی بنیادیں ملکی سیاسیات یا بلند و برتر سیاسی اصولوں پر نہیں بلکہ مقامی رواجوں، مخاصمتوں اور تعلقات پر رکھی گئیں۔

اٹلی کی سیاسیات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ لوگ باگ کسی نمایاں شخصیت کے سیاست داں سے خود کو وابستہ کر لیتے ہیں۔ ان کے دلوں میں پالیسیوں یا قوانین کی بہ نسبت نمایاں افراد کا زیادہ لحاظ ہوتا ہے۔

سوشلسٹوں کا عروج

سوشلزم کی طاقتوں کی سرگرمی سے اٹلی کی سیاسی فضا میں کچھ زندگی نمودار ہوئی اور پارٹیوں نے اپنے اپنے پروگرام اور طریق کار میں کچھ کچھ پختگی دکھلائی۔

اٹلی میں سوشلسٹوں کی ابتدا اس وقت سے ہوتی ہے جب ۱۸۶۰ء میں سوشلزم کے غیر ملکی پرچارک اٹلی میں پناہ گزین ہوئے۔ یہ لوگ مجلسی اصلاح اور جمہوری طرزِ حکومت کی تلقین کرتے تھے۔

۱۸۸۲ء کے قانون حق رائے دہی کے بعد بہت سے بادشاہیت پسند نرم سوشلسٹ بن گئے۔ ۱۸۸۲ء میں ملان کے مقام پر ایک سوشلسٹ پارٹی بنی مگر بادشاہیت پسندوں کے مقابلہ میں اس کی ایک نہ چلی اور یہ دب گئی۔

۱۸۹۱ء میں ملان سے ایک پندرہ روزہ سوشلسٹ اخبار نکلا اور اسی سال ملان میں اٹالین سوشلسٹ کانگریس ہوئی۔ جس میں مزدوروں کی ڈیڑھ سو سوسائٹیوں کے نمائندے شامل ہوئے۔ ۱۸۹۲ء میں سوشلسٹ بادشاہیت پسندوں سے قطعی طور پر جُدا ہوگئے

اس وقت سے لیکر ۱۹۱۵ء تک سوشلسٹوں کی طاقت برابر بڑھتی رہی۔ اُن کے پروگرام میں عورت مرد دونوں کیلئے عام حق رائے دہی، ڈپٹیوں اور میونسپل کونسلوں کے لئے ممبروں کی تنخواہوں کا تقرر، قوانینِ فوجداری میں ترمیمات، فوج کی جگہ نیشنل ملیشیا (National Militia) کا قیام، کارخانوں کے مزدوروں کیلئے نرم قوانین، بیماروں کیلئے لازمی بیمہ، زمیندار اور کاشتکار کے تعلق کے متعلق قوانین، ریلوں اور کانوں کو قومی سرمایہ بنانا، لازمی تعلیم کو وسعت دینا، غذاؤں پر محصول چُنگی اڑانا وغیرہ امور شامل تھے۔

چونکہ پُرانی پارٹیوں کی سست رفتاری سے اہلِ اٹلی تنگ آچکے تھے اور بیزار تھے اور سوشلسٹ پروگرام میں جان نظر آتی تھی، سوشلزم قوم و ملک کی توجہات کا مرکز بن گیا اور جنگ عظیم سے پہلے کے بیس برس میں اسے بڑا زبردست فروغ ہوا۔ ۱۹۰۶ء کے عام انتخابات میں سوشلسٹوں کو ۱۰۸۰۰۰ ووٹ مل گئے اور اُن کے ۱۶- امیدوار کامیاب ہوئے۔ اور ۱۹۰۴ء میں ان کے اصولوں کو اتنی قبولیتِ عامّہ حاصل ہوئی کہ عام انتخابات میں ۳۰۱۰۰۰ ووٹ ملے اور ۲۶ سوشلسٹ امیدوار کامیاب ہوگئے۔ ۱۹۱۳ء کے انتخابات میں ان کے ۷۶، ۳- امیدوار منتخب ہوگئے۔

کلیسا کی سیاسیات میں واپسی

سوشلسٹوں کی کامیابی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ کلیسا کا "سیاسی پرہیز" ٹوٹ گیا اور ۱۹۰۴ء کے انتخابات میں کیتھولک فرقہ کے بہت سے لوگوں نے حکومت کی امداد میں کام کیا۔ وہ سوشلزم کے اثرات کو جو کیتھولک فرقہ سے بنیادی طور پر مختلف تھا، روکنا چاہتے تھے۔

کلیسا سوشلسٹوں کی مخالفت پر

جون ۱۹۰۵ء میں پوپ پوئی دہم نے ایک فرمان کے ذریعے اپنے کل پیروؤں کو ہدایت کی کہ وہ منظم طریقہ سے مذہب اور معاشرت کیلئے کام کریں حکومت کی مخالفت کا جو فرمان کلیسا سے صادر ہوچکا تھا اُسے برقرار رکھتے ہوئے یہ ہدایت کی گئی کہ جہاں کہیں دشمنانِ مذہب و معاشرت (یعنی سوشلسٹوں) کی کامیابی کے امکانات ہوں۔ وہاں مقدس کلیسا سے پادری کے ذریعے اجازت حاصل کرنے کے بعد فرمانِ مخالفت کو نظرانداز کرتے ہوئے کیتھولک فرقہ کے لوگ سیاسی کاموں میں حکومت کی مدد کریں اور بشرط ضرورت حکومت کے

عہدے بھی قبول کرلیں۔ تاکہ اس اقدام سے دشمنانِ مذہب و معاشرت کے حوصلے پست ہوں۔

کیتھولک پارٹی کا قیام

اس سے ملک کی سیاسی فضا میں کچھ زندگی پیدا ہوئی۔ ایک مختصر سی کیتھولک پارٹی وجود میں آگئی جو سوشلسٹوں کی مخالف اور حکومت کی طرفدار تھی۔ ۱۹۱۳ء کے انتخاب میں کیتھولک امیدوار خاصی تعداد میں کامیاب ہوئے۔ سوشلسٹوں پر کلیسا کے سیاسی میدان میں قدم رکھنے کا یہ اثر ہوا کہ ان کی جماعت میں زیادہ مستعدی اور تنظیم پیدا ہوگئی۔

جنگِ عظیم کے دوران میں کلیسائی پارٹی نے پورے زور کے ساتھ حکومت کا ساتھ دیا۔ اور ان کی تمام سعی و کوشش متحدہ اٹالین قومیت کیلئے وقف رہی۔ جنگِ عظیم کے بعد ایک کیتھولک پارٹی کے قیام کا اعلان کیا گیا اور اس نے اپنے طرزِ عمل اور پروگرام سے یہ ثابت کردیا کہ اس کی رائے میں حکومت اپنی جگہ بالکل ٹھیک راستے پر ہے اس نے کلیسا کی حکومت کی تجدید کا اپنے پروگرام میں ذکر تک نہیں کیا۔ صرف روحانی حقیقت پر زور دیا۔

اس پارٹی کا نام پاپولر پارٹی رکھا گیا۔ اس کی تشکیل میں مختلف قدامت پسند سوسائٹیاں، انجمنیں اور لیگیں وغیرہ شامل تھیں چونکہ اس جدید پارٹی کے پروگرام میں وہ تمام باتیں موجود تھیں۔ جن سے سوشلسٹوں کو عروج ہوا تھا وہ لوگ جو سوشلسٹوں کی بعض باتوں سے اختلاف رکھتے تھے اس پارٹی کیساتھ ہوگئے۔ اور اس طرح اسے بڑی ترقی ہوئی۔ مگر سوشلسٹ بھی کچھ پیچھے نہیں رہے ۱۹۱۹ء کے انتخاب میں بھی جب پاپولر پارٹی کا بڑا زور تھا انھیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

مسولینی کا دھاوا اس سے ملک میں سیاسی رُکاوٹ (Deadlock) پیدا ہو گیا۔ کابینہ کے بعد کابینہ بنتا اور بگڑتا رہا مگر یہ انقباض نہ ٹوٹ سکا۔ سوشلسٹوں اور اوسط درجہ کے افراد میں کشمکش ہوتی رہی۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں مسولینی نے روم پر دھاوا بول دیا۔ جسے اٹلی والوں کی اصطلاح میں "فاسسٹ کوڈیتا" کہتے ہیں۔

مسولینی کے مطالبات اپنے حملہ میں کامیاب ہو جانے کے بعد مسولینی نے یہ مطالبات پیش کئے کہ چیمبر آف ڈپٹیز کو فوراً معزول کر دیا جائے، حق رائے دہی میں اصلاح کی جائے، اور فوراً ہی تازہ انتخابات ہوں۔ مطالبات پیش کرنے کے ساتھ ہی مسولینی نے یہ بھی دھمکی دی کہ اگر انھیں نہ مانا گیا تو طاقت کا استعمال کیا جائیگا۔

ملک نے مسولینی کا راستہ نہیں روکا اور بادشاہ کے ایما پر اس نے قلمدانِ وزارت سنبھال لیا۔ اب گویا اٹلی کی زمامِ حکومت فاسسٹوں کے ہاتھوں میں آ گئی جو سوشلسٹوں کے خلاف تھے اور جو ان کی بیخ کنی کی ہر ممکن تدبیر کر رہے تھے۔ مگر فاسسٹ اپنے متعلق یہ سُننا گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ فاسسٹ ترقی کے دشمن یا قدامت پرست ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے قوم کا بہترین عنصر ہیں۔ اور اٹلی کی قومیت کا جنم ہماری زندگی بخش تحریک فاسسزم ہی سے ہوا ہے۔

مسولینی کی حکومت اور سوشلسٹوں کی سرکوبی ۱۹۲۲ء میں مسولینی کی مشترکہ حکومت (Coalition Government) قائم ہو گئی اور اس نے سوشلسٹوں کو سیاسیات سے نکال باہر کیا۔ چونکہ فاسسٹوں کا تمام نظامِ حکومت پر اچھی طرح قبضہ ہو چکا تھا، اس لئے

مسولینی کے اس اقدام کی نہ سنیٹ میں مخالفت ہوئی نہ ایوانِ عام میں۔ پاپولسٹ پارٹی ابھی تک مسولینی کیساتھ تھی۔ مگر اب اس پارٹی کے لیڈر ڈون اسٹرزو نے یہ سوال اٹھایا کہ نظامِ حکومت میں پاپولرسٹوں کی تناسب نمائندگی ہونی چاہیئے۔

کیتھولک مسولینی کی مخالفت پر ماہِ اپریل ۱۹۲۳ء میں پاپولرسٹوں کی سالانہ موتمر میں پارٹی کی نمائندگی کی کمی کی بنا پر مسولینی کی شدید مخالفت ہوئی۔ کابینہ میں دو پاپولرسٹ ممبر تھے۔ سُو اتفاق سے ایک ممبر اسی دوران میں فوت ہوگیا اور دوسرے سے بالجبر استعفیٰ طلب کیا گیا۔ پاپولرسٹ جو پہلے ہی بگڑے بیٹھے تھے اور بھی شدید مخالفت پر اُتر آئے۔

مسولینی کی حکومت کی پوزیشن بہت نازک ہوگئی کیونکہ سوشلسٹوں کے بعد وہ پاپولرسٹ پارٹی کی ہمدردیاں اور امداد بھی کھو بیٹھی۔ مگر وہ بھی اپنی جگہ غافل نہیں تھی۔ مسولینی کی حکومت نے فوراً اصلاح حق رائے دہی اور نئے انتخابات پر زور دینا شروع کیا تاکہ فاسسٹوں کو نمایاں اکثریت حاصل ہوجائے اور آئندہ کوئی مخالف پارٹی ان کی حکومت کا راستہ نہ روک سکے۔

کمیشن اصلاح رائے دہی گیولٹی (Giolitti) کی قیادت میں ایک اصلاحی کمیشن بیٹھا۔ اس کمیشن نے ایک مسودہ مرتب کیا جس کی رُو سے بڑی پارٹی کو کُل کی دو تہائی نشستیں دی گئیں (بشرطیکہ وہ کل رایوں کی ایک چوتھائی حصہ رائیں ضرور حاصل کرے جو فاسسٹوں کیلئے کچھ مشکل نہ تھا)، باقی ایک تہائی نشستیں سب پارٹیوں میں (ان کی

طاقت کے مطابق بانٹ دی گئیں۔

سوشلسٹوں کی مخالفت اس مسودے کی سوشلسٹوں کی طرف سے سخت مخالفت کی گئی۔ پاپولرسٹ غیر جانبدار رہے۔ حکومت ہر اعتبار سے مسودہ کی حامی تھی اور اس نے پاپولرسٹوں سے بھی مسودہ کی تائید چاہی مگر کامیاب نہ ہوسکی۔ تاہم کمیشن کا مسودۂ قانون تنو رایوں کی اکثریت سے منظور ہوگیا۔

یہ فاسسٹوں کی کھلی ہوئی کامیابی تھی۔ پارلیمنٹ نے خود اپنے فیصلے سے اپنے آپ کو توڑ دیا اور ۱۹۲۳ء میں نئے انتخاب ہوئے جن میں فاسسٹوں کو دو تہائی ووٹ مل گئے۔ اقلیت نے اس پر احتجاج کیا اور فاسسٹ حکومت پر شدید نکتہ چینی ہونے لگی۔

مسولینی نے پارلیمنٹ میں ایک تقریر کی جس سے مختلف الخیال جماعتوں کے اختلافات رفع ہونے کی امید بندھتی تھی مگر اس دوران میں مخالف حکومت جماعت کے قائد میٹے اوٹی کو قتل کر دیا گیا جس سے یہ امید ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی۔

ہرچند یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ اسے حکومت نے قتل کرایا مگر سوشلسٹ اس قتل سے ایسے برہم اور حکومت سے اس قدر بیزار ہوگئے کہ کوئی کوشش انھیں مصالحت پر آمادہ نہ کرسکی۔ وہ علانیہ مسولینی سے استعفیٰ طلب کرنے لگے اور انھوں نے اس پر بھی زور دیا کہ قومی فوج برخواست کردی جائے اور تناسب نمائندگی کو بنیاد قرار دے کرنئے انتخابات کئے جائیں۔

حکومت کی سخت گیری سیاسی بےچینی بڑی تیزی سے پھیلنے لگی نیشنلسٹ پارٹی بھی چونکہ اس دوران میں بے اطمینانی ظاہر کرنے لگی تھی اس لئے مسولینی نے کئی نیشنلسٹ لیڈروں کو وزارت میں شامل

کرلیا۔ مگر سوشلسٹوں کی منظم مخالفت برابر جاری رہی اور جب یہ مخالفت ناقابل برداشت ہوگئی تو حکومت سختی پر اتر آئی۔

مسولینی نے ایک کمیشن بٹھایا کہ وہ اس سیاسی رکاوٹ کو دور کرنے کی تدابیر بتائے۔ سوشلسٹوں کی مخالفت نے اور بھی شدت اختیار کی۔ سنگین واقعات ظہور میں آنے لگے۔ اب صلح کی کوئی توقع باقی نہ رہی۔ سوشلسٹوں نے ایڈمناٹن ہل نامی مقام پر اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا اور حکومت کا عملی مقاطعہ شروع کرکے اپنے ہیڈ کوارٹر سے مخالفانہ پروپیگنڈے کا کام کرنے لگے۔

مسولینی کا سوشلسٹوں پر حملہ

۲۲ر جنوری ۱۹۲۵ء کو مسولینی نے ایڈمناٹن ہل پر حملہ کیا اور یہ اعلان کردیا کہ اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر تمام مخالفت بزور ختم کردی جائے گی۔ کمیونسٹ اور سوشلسٹ اخبارات زبردستی بند کردئے گئے۔ اور مخالفِ حکومت جماعتوں کی پوری طرح سرکوبی شروع ہوگئی۔ حکومت کے اس طرزِ عمل سے مخالفت کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی۔ مسولینی کی جان لینے کی کوشش کی گئی۔ حکومت اور بھی زیادہ سخت گیر ہوتی چلی گئی۔

فاسسٹوں کی نظامِ حکومت پر گرفت

فاسسٹی حکومت نے دستور اساسی میں حسب منشا تبدیلیاں شروع کیں۔ مجلس عامہ اور پارلیمنٹ کے تمام انتظامی اختیارات منسوخ ہوگئے۔ وزیر اعظم بھی براہ راست بادشاہ کے سامنے جوابدہ قرار پایا۔ مقامی حکومت کے نظام میں بہت کم تبدیلیاں کی گئیں۔ البتہ صوبوں کے افسر براہ راست روم کی حکومت کے ماتحت رکھے گئے۔

مسولینی کی ڈکٹیٹری

اب ڈکٹیٹری کا نظام بالکل مکمل ہوگیا۔ اور مسولینی عملاً اٹلی کا مختارِ کل بن بیٹھا۔ فاسسٹ پارٹی ملک کی مسلمہ

سیاسی جماعت بن گئی۔ اور فاسٹوں کا دشمن ملک کے مفاد کا دشمن خیال کیا جانے لگا۔

فاسسٹ حکومت کی تھیوری

فاسسٹ خود کو قوم کا صحیح نمائندہ تصور کرتے ہیں۔ جنگِ عظیم کے دوران میں ہر فرد جمہوریت کا ثنا خواں تھا مگر جنگِ عظیم کے نتائج نے جب لوگوں کو جمہوریت کی طرف سے بالکل مایوس کردیا تو اٹلی کی رائے عامہ جمہوریت کے خلاف ہو گئی۔ فاسسٹ اسی مخالف رجحان کی پیداوار ہیں۔ انھوں نے جمہوریت کی مخالفت کو اصول اور ضابطہ کا رنگ دیدیا۔

فاسسٹوں کے نمودار ہونے سے پہلے تین جدا جدا رجحانات جمہوریت کے خلاف کام کررہے تھے۔ ایک قوم پرستی، دوسرے خیال پرستی۔ تیسرے ڈانگ میکیاولی کی روایات۔ قوم پرست بادشاہ کے ماتحت قوم کو متحد کرنا چاہتے تھے۔ خیال پرست بادشاہت اور کلیسا کو ہم آہنگ دیکھنا چاہتے تھے۔ اور تیسری قسم کے لوگ استحکامِ سلطنت کے قائل تھے۔

فاسزم نے ان تینوں کے میل سے اپنا یہ سیاسی فلسفہ پیش کیا کہ آزادی کا درجہ قانون کے ماننے کے بعد ہے۔ اور قانون کی مطابعت ہر شہری کا فرض ہے فاسزم کا یہ دعویٰ ہے کہ لوگ آزادی نہیں بلکہ روٹی چاہتے ہیں۔ مسولینی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اگر حکومت اہل اور مضبوط نہ ہو تو اُسے حکومت نہیں کہہ سکتے۔ اس کے نزدیک مخالفت کو دبانے کا صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ طاقت استعمال کی جائے۔

باب ۲۱

نظام حکومت

شعبۂ عدل وانصاف اور لوکل گورنمنٹ

تمام مملکت ۱۴۵ ماندامینتی (Manda Menti) ۱۶۲ ٹربیونل ڈسٹرکٹ اور ۲۰ کورٹ ڈسٹرکٹوں میں منقسم ہے۔ ہر ماندامینتی میں پریتورا (Pre tura) یا مجسٹریٹی ہوتی ہے جو دیوانی مقدمات اور جرائم میں تین ماہ قید یا ایک سال کی جلاوطنی یا ایکہزار تک جرمانے کی سزا دے سکتی ہے۔ چھوٹے دیوانی مقدمات جو سو لائر تک کی مالیت کے ہوں جسٹس آف پیس فیصل کرتے ہیں جنھیں اطالوی زبان میں گیودی سی کونسلی ایٹری (Giudici Concili Atori) کہتے ہیں۔

۱۶۲ ٹربیونل ڈسٹرکٹوں میں فی ڈسٹرکٹ ایک پینل کورٹ ہوتی ہے جو دس سال کی سزا دے سکتی ہے اور ایکہزار سے زیادہ جرمانہ کر سکتی ہے۔ یہ عدالت نیچے کی عدالتوں کے فیصلوں پر اپیل بھی سنتی ہے۔ کورٹ آف اسائز (Court of Assize) عمر قید یا پانچ سے دس برس تک کی سزا کا اختیار رکھتی ہے۔ اس صورت میں جب سینیٹ سے ہائی کورٹ کا کام نہ لیا جائے یہی عدالت سیاسی مقدمات کو فیصل کرتی ہے۔ حسب قاعدہ یہ عدالت جیوری سے کام لیتی ہے۔ اس کا اپیل صرف روم کی کورٹ آف کاسیشن (Court of Cassation) میں ہوتا ہے۔ باعتبار مرتبہ روما کی عدالت کے مساوی تورن، فلورنس، نیپلز، پلرمو وغیرہ کی عدالتیں ہیں۔ ان عدالتوں میں سے ہر ایک اپنی اپنی حدود کے اندر پورے اختیارات رکھتی ہے

ایک عدالت کے فیصلے کا اپیل دوسری عدالت میں نہیں ہو سکتا۔ اطالوی حکومت کے شعبۂ انصاف کی یہ خصوصیت ہے کہ مرکزیت بالکل مفقود ہے۔

لوکل گورنمنٹ

اس کے علاقے چار ہیں۔ صوبہ، سرسوندارو (Circondaro) ماندے مینٹو (Mandemento) اور کمیون (Commune)

ان چاروں میں سے پہلا اور چوتھا یہی دو ایسے ہیں جنھیں کسی قدر خود مختاری حاصل ہے۔ سرسوندارو صرف انتخابی اہمیت رکھتا ہے۔ ورنہ اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔ ماندے مینتی یا کینیٹون سب انتظامی ضرورتوں کے لحاظ سے قائم کرائے جاتے ہیں

کل ۶۹ صوبے ہیں جو رقبے کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں مگر ہر ایک کی اوسط آبادی ساڑھے چار لاکھ سے پانچ لاکھ تک ہے۔ صوبے کا سرگروہ حکومت پریفیکٹ (Prefect) ہوتا ہے جسے بادشاہ مقرر کرتا ہے۔ فرانس کے پریفیکٹ کی طرح یہ بھی ایک سیاسی افسر ہوتا ہے۔ نہ صرف اس کے تقرر میں سیاسی مصالح کام کرتے ہیں بلکہ فرائض کی انجام دہی پر بھی ان مصالح کا اثر مترتب ہوتا ہے۔ مرکزی حکومت کا نمائندہ اور ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے وہ قوانین کو نشر اور نافذ کرتا ہے۔ صوبائی انتظام کی نگرانی کرتا ہے، صوبائی کونسل کا افتتاح کرتا ہے اور اس جماعت کی تجاویز کو منظور یا نامنظور کرتا ہے اور بحیثیت مجموعی صوبے میں مرکزی حکومت کے مفاد کا تحفظ کرتا رہتا ہے۔

ہر صوبے میں بیس سے لیکر ساٹھ ممبروں تک کی ایک کونسل ہوتی ہے۔ یہ کونسل چھ سال کیلئے اسی طریق سے منتخب ہوتی ہے جو پارلیمنٹ کے انتخابوں میں کام میں لایا جاتا ہے۔ کونسل باقاعدگی کیساتھ سال میں ایک مرتبہ اپنا اجتماع منعقد کرتی ہے۔ ممبروں کی نصف تعداد ہر تیسرے سال بدل جاتی ہے۔ ایک تہائی کونسلروں کی درخواست پر کونسل کا خاص اجلاس بھی بلایا جا سکتا ہے۔ صوبائی بجٹ پر

رائے دینے کے علاوہ باقی کونسل کا اور کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوتا۔ پریفیکٹ کو صلاح مشورہ دینے کیلئے حکومت کے مقرر کردہ تین ممبروں کی ایک کونسل ہوتی ہے اور اس کی امداد کے لئے چھ ممبروں کی ایک اور جماعت بھی بنتی ہے۔

اس کے چھ ممبروں میں سے چار صوبائی کونسل کے منتخب کردہ ہوتے ہیں اور باقی دو پریفیکٹ کی مشاورتی کونسل سے لئے جاتے ہیں۔ اس جماعت کا کام انتظامی امور کی نگرانی میں پریفیکٹ اور سب پریفیکٹ کی امداد کرنا ہے۔ پریفیکٹ اور اس کی امدادی جماعت کونسل پر اثر رکھتی ہے۔ اور پریفیکٹ کو زجر و توبیخ کرنے کی مجاز صرف مرکزی حکومت ہوتی ہے جس کی وہ نمائندگی کرتا ہے۔

کمیون لوکل گورنمنٹ کا قوی ترین عنصر کمیون ہے۔ ہر کمیون میں بلحاظ تعداد اسّی ممبران تک کی ایک کونسل ہوتی ہے جو چھ برس کی مدّت کیلئے منتخب ہوتی ہی اور جس کے نصف ممبران ہر تیسرے برس ریٹائر ہو جاتے ہیں۔ کمیون کی کونسل کے ہر سال دو اجلاس ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں کونسل زیادہ اجلاس منعقد کرتی ہے۔ دورانِ اجلاس میں ایک جماعت جسے انتظامی اختیارات ہیں بطور منتظمہ کمیٹی کونسل کے ریزولیوشن قواعد اور بجٹ تیار کرتی ہے۔ بازاروں، سڑکوں، مارکٹوں کی دیکھ بھال ابتدائی تعلیم کا انتظام، غرباء کی امداد، پیدائش اور اموات اطفال، پولیس کی نگرانی، رائے دہندوں کے ناموں کا اندراج، وغیرہ اُمور اس کے سپرد ہوتے ہیں۔ مقامی معاملات اور مقامی زر کے خرچ کرنیکے معاملے میں اسکا حلقۂ کار بہت وسیع ہی۔ کمیون کا اعلیٰ افسر سنداکو (Cindaco) یا میئر ہوتا ہے

سوئٹزرلینڈ

باب ۲۲

حکومت کے خصوصی پہلو

سوئٹزرلینڈ کی دستوری فوقیت یورپ کے سب ملکوں میں سوئٹزرلینڈ صحیح ترین وفاقی حکومت رکھتا ہے اور چار سو برس سے اس ملک میں یہ جمہوری نظام خوش اسلوبی سے چل رہا ہے۔

آج دنیا میں ہر طرف جمہوری سلطنتیں قائم ہو گئی ہیں اور بعض ممالک میں صحیح معنوں میں نمائندہ حکومتیں بھی قائم ہو چکی ہیں۔ مگر جہاں تک حکومت عوام کے قیام اور باشندوں میں مساوات کا سوال ہے۔ سوئٹزرلینڈ آج بھی اوروں سے بہت آگے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ جس رنگ کی سیاسی، صنعتی، تعلیمی اور مجلسی آزادی اس ملک کے باشندوں کو حاصل ہے دُنیا میں اور کسی ملک کی حکومت اپنی رعایا کو نہیں دے سکی۔

جغرافیائی پوزیشن کا اثر یہ صورتِ حال خود اس ملک کی جغرافیائی پوزیشن کی پیداوار ہے۔ وسعت میں سوئٹزرلینڈ صرف ۱۵۹۷۶ میل یا ملکِ فرانس کا ایک تیرہواں حصہ ہے۔ اس قدر چھوٹا ہونے کی وجہ سے اِسے جمہوریت کی نشوونما کیلئے آسانی سے موقعے مہیا ہو گئے۔ پھر کوہستانی سلسلوں نے بھی ملک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ کر قدرتی طور پر وفاقی صوبے پیدا کر دیے جن میں ہر فرد کا کاروبارِ حکومت میں حصہ لینا کچھ دشوار نہیں

مُلک کی اس قدرتی تقسیم کے علاوہ زبان و نسل اور مذہب کے اختلاف نے بھی وفاقی طرزِ حکومت کی طرف لوگوں کو مائل کیا۔ اس کے علاوہ آبادی کچھ زراعت پیشہ اور کچھ صنعت کار ہے۔ یوں بھی حقوق کی مساوی تقسیم ہوگئی۔

ارتقائے حکومت کی تاریخ

تاریخی اعتبار سے تو سوئزرلینڈ کے وفاقی نظامِ حکومت کی بنیاد بارہویں صدی میں رکھی گئی تھی۔ مگر موجودہ وفاقی حکومت انیسویں صدی کے اخیر کی پیداوار ہے ۱۷۹۸ء میں جب نپولین نے سوئزرلینڈ کے نظام میں تبدیلیاں پیدا کرنے پر کمر باندھی تو حکومت تیرہ صوبوں پر مشتمل تھی جو ایک ڈھیلے ڈھالے وفاقی رشتہ میں بندھی ہوئی تھیں۔ نپولین نے ایک تحریری دستور نافذ کرکے ملک کو جمہوریہ ہلویہ (Helvetic Republic) کے نام سے ایک دوایوانی وحدتی نظامِ حکومت میں تبدیل کردیا۔ جو برائے نام آزاد مگر اصل میں فرانس کی دستِ نگر تھی۔

ہرچند اس حکومت میں عام حقِ رائے دہی اور تحریر و تقریر کی آزادی تھی مگر اہلِ ملک میں فرانس کی آزادی کے خلاف جو جذبہ کام کررہا تھا اس نے نئے نظام کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

سنہ ۱۸۰۲ء میں اس کی جگہ ایک اور دستور بنا۔ ہزاروں آدمی اس کے بھی مخالف تھے مگر اہلِ اقتدار نے اسے نافذ کرہی دیا۔ تاہم نپولین نے دانائی سے کام لیتے ہوئے سنہ ۱۸۰۳ء میں سوئزرلینڈ کے نمائندہ وفد کی مدد سے ایک نئی اسکیم مرتب کی جو ایکٹ آف میڈی ایشن (Act of Mediation) کہلائی۔ اس اسکیم سے ملک ایک بار پھر خود اختیار صوبوں کی وفاقی حکومت میں تبدیل ہوگیا اور مرکزی حکومت کے اختیار بھی نسبتاً بڑھ گئے۔

نپولین کے زوال کے بعد یہ اسکیم ٹوٹ گئی اور سنہ ۱۸۱۵ء میں زورچ کے

مقام پر ۲۲ صوبوں نے ایک دستور اساسی فیڈرل پیکٹ (Federal Pact) کے نام سے منظور کیا۔ اس سے صوبے پھر ویسے ہی آزاد ہو گئے جیسے ۱۷۹۸ء سے پہلے تھے۔

۱۸۱۵ء سے لیکر ۱۸۴۸ء تک صوبوں کو ملا جلا کر ایک مضبوط قوم بنانے کی کوششیں ہوتی رہیں۔ ۱۸۳۲ء میں ایک کمیٹی فیڈرل پیکٹ پر نظر ثانی کرنے کیلئے مقرر ہوئی اور اس نے ایک دستور بھی بنایا جس کی رو سے وفاقی نظام برقرار رکھتے ہوئے ایک مستقل قومی عاملہ اور قومی عدالت عالیہ قائم کرتے اور محصول، فوجی ٹریننگ، پوسٹل سروس اور سکہ سازی کو مرکزی حکومت کے ماتحت لانے کی کوشش کی گئی۔

۱۸۳۳ء میں تھوڑی اکثریت سے یہ دستور بھی مسترد ہو گیا۔ تاہم جب انقلاب فرانس کے اثرات سے سوئٹزرلینڈ متاثر ہوا تو ایک اور جمہوری دستور ۱۸۴۸ء میں منظور ہو گیا جو بہت سی اصلاحات لیے ہوئے تھا۔ ۱۸۷۴ء میں انتہاپسندوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور ایک دوسرا دستور ملک کے سامنے پیش کیا۔ جو کثرت رائے سے منظور ہو گیا۔ اسوقت یہی سوئٹزرلینڈ کا آئین حکومت ہے۔

حکومت عوام اصولی اور عملی دونوں پہلوؤں سے یہ دستور وفاق کی زیادہ سے زیادہ صحیح تفسیر ہے۔ عوام بذات خود ملک پر حکومت کرتے ہیں۔ اُنھوں نے ایک طرف مرکزی حکومت کو بہت سے فرائض سونپ رکھے ہیں اور دوسری طرف ملک کو صوبوں میں تقسیم کر کے ان کی حکومتوں کو بھی آئینی ذمہ داریاں دیدی ہیں۔

مرکزی اور صوبائی حکومتیں اپنی اپنی جگہ ذمہ داری کیساتھ حکمرانی کرتی ہیں مگر خود اپنے وجود کیلئے وہ عوام کی رائے کی محتاج ہیں۔ مرکزی حکومت کے

اختیارات ملکی دستور نے معین (Specified) کر دیئے ہیں۔ صوبوں (Cantons) کی حکومتیں ان بقیہ اختیارات (Residue Powers) پر دسترس رکھتی ہیں جو ان کی رعایا نے انھیں دے ہیں اور وفاقی آئین میں ممنوع قرار نہیں دیئے گئے ہیں۔

جہاں تک صوبوں کے اختیارات کی وسعت کا سوال ہے انھیں ان کی مملکت، ان کا دستور، ان کی آزادی اور اُن کے عام حقوق حاصل ہیں۔ صوبے وفاقی حکومت سے اپنے اپنے دستور اساسی کے تحفظ کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور وفاقی حکومت آئینی طور پر ہر اس دستور اساسی کا تحفظ کرنیکی پابند ہیں جو وفاقی دستور سے ضد نہ رکھتا ہو، جس کی رُو سے عوام کو سیاسی حقوق کے استعمال کی آزادی ہو جو عوام کی طرف سے منظور کیا جا چکا ہو اور جس میں اُن کی مرضی کے مطابق ترمیم ہو سکے۔

البتہ ریاستوں میں بدامنی ہونے پر وفاقی حکومت مداخلت کرنیکا اختیار رکھتی ہے اور صوبوں کی طرف سے درخواست کا انتظار کئے بغیر کسی وقت بھی امن دامان بحال کرنے کے لئے وہ دخل اندازی کر سکتی ہے۔ خانہ جنگی کے امکانات کو ختم کرنے کیلئے صوبوں کو آپس میں معاہدے کرنیکی سخت ممانعت ہے گو دیگر امور پر وہ معاہدے کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان معاہدوں میں کوئی بات وفاقی آئین کے خلاف نہ ہو۔

متنازعہ فیہ امور وفاقی حکومت کے آگے رکھے جاتے ہیں اور انفرادی طور پر صوبوں کو کوئی عملی قدم اٹھانیکا حق نہیں رہتا وفاقی حکومت کو فوج پر پورا قابو ہے مگر وہ فوج کو نوکر نہیں رکھ سکتی۔ اسی طرح وفاقی حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی صوبائی حکومت تین سو سے زیادہ آدمیوں کی فوج نہیں رکھ سکتی۔ فوجی خدمت ہر بالغ شہری پر فرض ہے۔

باب۲۳

صوبوں کی حکومت

صوبہ اور مرکز کا رشتہ

سوئٹزرلینڈ کی وفاقی حکومت صوبوں ہی کے طریق کار پر قائم ہے اس لئے ہم نے وفاقی حکومت سے پہلے صوبوں کے نظام حکومت پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھا۔

کل بچیس صوبے ہیں۔ ان میں سے ہر صوبہ اپنی جگہ آزاد نظام حکومت رکھتا ہے اور وفاقی حکومت کی نگرانی میں اسے چلاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر کسی جگہ اشارہ کیا گیا ہے صوبائی حکومتوں کو وہ اختیارات ملے ہوئے ہیں جو دستور آفیڈرل حکومت کو تفویض نہیں ہوئے ہیں جیسے محصولات اور تعلیم عامہ وغیرہ۔ بعض امور مستقل طور پر مرکزی حکومت ہی کے ذمے ہیں مگر اس حد تک صوبے کی حکومت بھی ان میں دخل دے سکتی ہے۔ جس حد تک وہ وفاقی حکومت کے راستے میں حائل نہ ہو جیسے تجارت یا مزروعہ زمینوں کے ٹھیکے وغیرہ۔

مگر پھر بھی صوبوں کا دائرہ حکمرانی عملی طور پر خاصا وسیع ہے۔ فیڈریشن کی نگرانی میں وہ بڑے بڑے تعلیمی ادارے قائم کرکے انھیں چلا سکتے ہیں صنعت وحرفت کی ترقی کیلئے قانون بنا سکتے ہیں۔ مزدوروں کی اجرتیں اور مزدوری کے اوقات مقرر کر سکتے ہیں۔ سڑکیں بنانا، ہسپتال اور محتاج خانے کھولنا، شراب وغیرہ کی درآمد و برآمد پر محصول عائد کرنا صحت عامہ اور زراعت کی ترقی کیلئے قانون بنانا وغیرہ بھی ان کے اختیار میں ہے۔

پنچایتی راج طرزِ حکومت کے لحاظ سے صوبے چار قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جن میں پنچایت (Landes gemeinda) حکومت کرتی ہے۔ دوسرے وہ جن میں نمائندہ اسمبلی ہوتی ہے اور قانون رائے عامّہ معلوم کرنے کیلئے مشتہر کئے جاتے ہیں، تیسرے وہ جن میں نمائندہ اسمبلی ووٹروں کی درخواست ہی پر قانون نافذ کرتی ہے۔ ایک صوبہ فری بورگ ایسا بھی ہے جہاں قوانین مشتہر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی۔

پنچایتی صوبوں میں ہر سال اپریل کے آخری اتوار کو اجتماع ہوتا ہے اسمیں ہر ووٹر شریک ہو سکتا ہے۔ مگر عام طور پر اہل اور دلچسپی رکھنے والے لوگ ہی آتے ہیں۔ سال کے سال پنچایت پانچ یا اس سے زیادہ ممبروں کی ایک جماعتِ عاملہ (Executive Council) بناتی ہے جس میں ایک صدر بھی شامل ہوتا ہے۔ ایک جماعتِ مشاورت (Advisory council) بھی ہوتی ہے جس میں عاملہ کے ممبروں کے علاوہ اضلاع کے چند نمائندے بھی لئے جاتے ہیں۔ سالانہ اجتماع کی صدارت منتظمہ کا صدر کرتا ہے اور اس میں جماعتِ مشاورت کی بھیجی ہوئی تجویزیں پیش ہوتی ہیں اور ان پر بحث ہوتی ہے۔ کبھی ایک شہری یا چند شہریوں کی طرف سے تجویزیں اٹھائی جاتی ہیں اور ان کے حسن و قبح پر غور کیا جاتا ہے۔ یہ تجویزیں پہلے تحریری شکل میں جماعتِ مشاورت کو بھیجی جاتی ہیں۔ وہ ان کے سالانہ اجتماع میں پیش ہونیکی منظوری دے دیتی ہے اور یہ بھی بتانے کیلئے تیار ہوتی ہے کہ آیا انھیں کلیتاً منظور کر لیا جائے یا ان میں ترمیمیں کر لی جائیں یا انھیں بالکل نامنظور کر دیا جائے۔ پنچایتی صوبوں میں پنچایت تنہا ذمہ دار حکمراں جماعت ہوتی ہے اور حکومت کے سارے شعبوں پر قابو رکھتی ہے۔

چھ پنچایتی صوبوں کے علاوہ باقی سب میں نمائندہ اسمبلی یا بڑی کونسل

(Great Cuncil) راج کرتی ہے۔ ہر صوبے نے وفاقی حکومت کی نگرانی میں رہتے ہوئے اپنے لیئے نمائندہ حکومت کا ڈھانچہ تیار کرلیا ہے۔ یہ نمائندہ حکومت باشندوں کی مرضی کے تابع رہتی ہے۔ وفاقی حکومت کی مرضی حاصل کرکے وہ جب چاہیں اس میں ردّو بدل کرسکتے ہیں۔

دستور یہ ہے کہ باشندوں کی ایک معیّنہ تعداد نظر ثانی کرنے کیلیئے درخواست دیتی ہے۔ اس درخواست پر یا تو کونسل کوئی قدم اٹھاتی ہے یا ایک جماعت کا انتخاب ہوتا ہے جو صوبائی دستور حکومت پر نظر ثانی کرکے ایک ترمیم شدہ دستور تیار کرتی ہے اور وہ استصواب عامّہ کیلیئے مشتہر ہوجاتا ہے۔ سات صوبے تو ایسے ہیں جنہیں عوام چاہیں تو اکثریت سے کونسل کو بھی یہ الزام رکھ کر برخواست کراسکتے ہیں کہ وہ عوام کی صحیح نمائندگی نہیں کررہی ہے۔

کونسل کے ممبر بیس سالہ مرد شہریوں کی بلا واسطہ رائے سے چنے جاتے ہیں۔ ممبری کی مدّت تین یا چار سال ہے۔ عموماً کونسل سال میں دو بار اجلاس کرتی ہے۔ مگر بعض صوبوں میں کونسل کے دو سے زیادہ اجلاس بھی ہوتے ہیں جن صوبوں میں استصواب عامہ رائج ہے وہاں کونسل کے تمام کام مشروط ہوتے ہیں۔ لیکن صوبوں میں یہ قید نہیں ہے یا ہے تو اختیاری ہے وہاں اس کے فیصلے آخری سمجھے جاتے ہیں۔

انتظامی اختیارات ایک چھوٹی کونسل کے سپرد ہیں جس میں پانچ یا سات ممبر ہوتے ہیں۔ ان کی ممبری کی مدّت ایک سے پانچ برس تک ہوتی ہے۔ چھوٹی کونسل قانوناً بڑی کے ماتحت ہے۔ جو آئینی کاموں میں اسے ہدایت دیتی ہے اور اس کے فیصلوں کو منسوخ بھی کرسکتی ہے۔ تاہم چھوٹی کونسل قابلِ لحاظ حیثیت کی مالک ہے۔ اس میں پختہ کار افراد ہوتے ہیں جس میں سیاسی تجربات کی وجہ سے دور اندیشی

اور انتظامی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ چھوٹی کونسل معاملاتی مجلس ہے جو کامیابی کیساتھ نظامِ حکومت چلا سکتی ہے۔ اسمیں آبادی کے ہر حصے کا نمائندہ آسکتا ہے۔ اقلیت کا ایک نمائندہ ضرور لیا جاتا ہے۔ اور یوں چھوٹی کونسل صوبے کی صحیح نمائندہ بن جاتی ہے۔

پہلے اس کے ممبر بڑی کونسل چنا کرتی تھی۔ مگر اب دو کے علاوہ باقی سب صوبوں میں اس کے ممبر عام انتخاب سے لئے جاتے ہیں۔ انتظام میں آسانی کے خیال سے ایک ایک محکمہ ایک ایک ممبر کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ چھوٹی کونسل کے ممبر بڑی کونسل کے اجلاس میں بیٹھ ضرور سکتے اور انتظامی معاملات میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں مگر موافق یا مخالف رائے نہیں دے سکتے۔

مقامی انتظامی ضرورتوں کے پیشِ نظر صوبوں کو حلقوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ ہر ضلع کا ایک افسر ضلع (Prefect) ہوتا ہے جو ہر اعتبار سے صوبے کی حکومت کا معتمد ہوتا ہے۔ بعض صوبوں میں افسرانِ ضلع کی اعانت کیلئے ڈسٹرکٹ کونسل (Bezirksrath) بھی ہوتی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا انتظامی رقبہ کمیون (Commune) کہلاتا ہے جسے ہم میونسپلٹی کہہ سکتے ہیں۔

آئینی اعتبار سے کمیون کسی رقبے کے اُن بالغ شہریوں پر مشتمل ہوتا ہے جو کمیون مذکور کی حدود میں ایک معینہ عرصہ تک رہ چکے ہوں یہ معینہ عرصہ عموماً تین ماہ کا ہوتا ہے۔ کمیون اپنی وسعت کے لحاظ سے مختلف حیثیتوں کے ہیں۔ بعض کمیون خاصے طویل و عریض ہیں۔ جیسے زوریچ جس کی آبادی دو لاکھ ہے۔ بعض کمیون دیہاتی رقبے ہیں جن کی آبادی چند سو آدمیوں سے آگے نہیں جاتی اور بعض میں تو صرف پچاس یا چھپن انسان ہی بستے ہیں۔ کیمون سوئیزرلینڈ کے منفرد اجزا ہیں اور لوکل پبلک زندگی کے مرکز ہیں۔ سوئیزرلینڈ میں شہری بننے

کیلئے ایک شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی کمیون کا ممبر ضرور ہو۔ اس سے اسے کینٹنوں اور ملک کی شہریت حاصل ہوتی ہے۔ کمیون مقامی امور کا انتظام کرتے ہیں۔ جیسے تعلیم، پولیس، غربا پروری اور پانی کی فراہمی وغیرہ۔ بعض اوقات کمیون کے ذمہ دار کارکن کینٹنوں کے ذمہ دار افسران سے ان امور پر اشتراکِ عمل بھی کرتے ہیں۔ عام طور پر ایک کمیون کی کچھ املاک بھی ہوتی ہے اور دیہاتی علاقوں میں یہ اپنے حدود کے اندر واقع ہونے والے جنگلات اور چراگاہوں کی حفاظت بھی کرتا ہے۔

جرمن زبان بولنے والے کینٹونوں میں کمیون کی حکومت، دیہاتی اور قصباتی علاقوں میں باشندگان کے ایک عام اجتماع کے ذریعہ سے چلائی جاتی ہے اس اہم اجتماع میں ہر اہم اور ضروری مسئلہ پیش ہوتا ہے اور بحث و تمحیص کے بعد اس فیصلہ پر کیا جاتا ہے۔ جن کمیونوں میں زیادہ باشندے بستے ہیں۔ وہاں ایک کمیون کی کونسل منتخب کی جاتی ہے۔ اس کونسل کے ذمے سب انتظامی امور ہوتے ہیں۔ اور اس کا صدر بعض مخصوص اختیارات رکھتا ہے اور کسی حد تک آزادانہ قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔

بڑے شہروں میں کمیون کارپوریشن کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی ایک کونسل ہوتی ہے جو آئینی طور پر تین سال کے لئے منتخب ہوتی ہے اور شہر کے سب معاملات پر قابو رکھتی ہے۔ اس کونسل کا ایک صدر ہوتا ہے جسے ہمارے شہروں کی کارپوریشنوں کے میئروں کی حیثیت کا آدمی سمجھا جا سکتا ہے۔ بعض جگہوں پر اسے چند اختیارات دے جاتے ہیں جو انتظامی معاملات کے سلسلے میں ہوتے ہیں۔

چھوٹے چھوٹے کمیونوں کی کونسلیں اجتماعی طور پر کام کرتی ہیں۔ مگر بڑے بڑے کمیونوں میں ہر ممبر کو ایک ایک انتظامی شاخ کا ذمہ دار بنا دیا جاتا ہے۔

باب ۲۴

وفاقی حکومت

اسمبلی

اسمبلی کی تشکیل سب سے اہم حکمراں جماعت وفاقی اسمبلی ہے۔ اس کے دو ایوان ہیں نیشنل کونسل اور فیڈرل کونسل نیشنل کونسل کو عوام تین برس کیلئے چنتے ہیں۔ ہر صوبہ میں بیس ہزار باشندوں پیچھے ایک نمائندہ لیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ ہر صوبہ سے کم از کم ایک نمائندہ ضرور آجانا چاہیئے۔ ہر دس سال کے بعد مردم شماری ہوتی ہے۔ اور اس مردم شماری کے لحاظ سے وفاقی حکومت ہر صوبہ کیلئے نمائندوں کی تعداد مقرر کرتی ہے ہر شہری بالغ مرد رائے دے سکتا ہے۔

انتخاب سارے ملک میں اکتوبر کے آخری اتوار کو ہوتا ہے۔ ایک سال میں چار مرتبہ نیشنل اسمبلی اپنے اجلاس کرتی ہے۔ ہر مرتبہ نیا صدر اور نائب صدر چنا جاتا ہے۔ ممبروں کو سرکاری خزانہ سے پچیس فرانک روزانہ ملتا ہے۔ سفر خرچ اس کے علاوہ ہے۔ ایوان کا اجلاس بہار کے موسم میں آٹھ بجے صبح اور سرما میں نو بجے شروع ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اکیس دن تک جاری رہتا ہے۔

فیڈرل کونسل فیڈرل کونسل میں چوالیس ممبر ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ سے دو ممبر لئے جاتے ہیں۔ ان کی انتخابی صلاحیت (Qualification) اور ممبری کی مدت کے بارے میں دستور بالکل خاموش ہے۔ صوبوں کی حکومتیں اپنے طور پر ان سب باتوں کی دیکھ بھال کر لیتی ہیں۔ اسی لئے انتخاب کا طریق ہر جگہ

یکساں نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر صوبوں میں عوام ممبر چنتے ہیں مگر سات صوبوں میں جماعت قانون ساز انھیں منتخب کرتی ہے۔

فیڈرل کونسل کے ممبروں کا الاؤنس اتنا ہی ہے جتنا نیشنل کونسل کے ممبروں کا ہی اور صوبوں کی حکومتوں کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے نیشنل کونسل کو ہر قسم کے آئینی اختیارات ہیں وہ فیڈرل کونسل، وفاقی عدالت، چانسلر، سپہ سالار اور دوسرے افسروں کا انتخاب کرتی ہے، صلح اور جنگ کر سکتی ہے، صوبوں کو ان کے دستور اور ان کی مملکت دیتی ہے، امن عامہ کے قیام کی ذمہ دار ہے۔ بیرونی طاقتوں سے کئے گئے معاہدوں اور صلحناموں پر منظوری دیتی ہے، اور اگر کوئی صوبہ یا نیشنل کونسل اعتراض کرے تو صوبوں کے درمیان یا کسی بیرونی ملک کے درمیان طے شدہ معاہدے بھی منظوری کیلئے اسی کے سامنے رکھے جاتے ہیں۔ قانون بنانے کے معاملے میں بھی اس کے اختیارات پر کوئی حد نہیں باندھی گئی ہے۔

ایوانوں کے اجلاس

رواج یہ ہے کہ دونوں ایواں کے اجلاس الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس موقعہ پر جب افسرانِ حکومت کو چننے یا معافیاں دینے یا مختلف ذمہ دار وفاقی افسروں میں پڑی ہوئی کسی قانونی پیچیدگی کو سلجھانے کا سوال ہوتا ہے تو دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس ہوتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں ایک عجیب وغریب دستور یہ ہے کہ کوئی مسودۂ قانون کسی ایک ایوان میں پیش نہیں ہوسکتا بلکہ سارے بل دونوں ایوانوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ گویا انگلستان کا یہ اصول کہ مالی مسودے پہلے دارالعوام میں پیش ہونے چاہئیں، سوئٹزرلینڈ میں نہیں چلتا۔

قانون سازی

قانون بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایوانوں کے سامنے یا تو ایسے

قانون رکھے جاتے ہیں۔ جن کی ضروریات عاملہ شعبے کے افسروں کو محسوس ہوتی ہیں
یا پھر باشندگانِ ملک کی درخواست پر قانون بنائے جاتے ہیں۔

پہلی صورت میں فیڈرل کونسل قانون بناتی ہے اور اسکے ایک یا دو ممبر مسودہ پیش ہوتے وقت ایوان میں موجود ہوتے ہیں۔ تاکہ قانونی الجھنوں کو سلجھا سکیں دوسری صورت میں درخواست کسی ممبر کی طرف سے پیش ہو کر منظور ہوتی ہے جسمیں فیڈرل کونسل سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ رائے عامہ کو مانتے ہوئے فلاں فلاں قسم کا قانون بنانیکی طرف قدم اٹھائے۔ مالی مسودے بھی فیڈرل کونسل ہی کے اختیار میں رکھے جاتے ہیں۔ ایوانوں کے ممبر جرمن، اطالوی یا فرانسیسی زبانیں بول سکتے ہیں۔ اور ہر بل ان تینوں زبانوں میں مشتہر کیا جاتا ہے۔

تاجرانہ طریق حکومت

غالباً یہ بات تعجب سے سنی جائیگی کہ سوئٹزرلینڈ کے ایوانوں میں گرما گرم بحثیں بالکل نہیں ہوتیں بلکہ کارروائی زیادہ سے زیادہ تاجرانہ طریقہ سے ہوتی ہے۔ ایک دوسرے پر فقرے کسنے، طنزیات، پھبتیوں اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے موقعے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔

دورانِ تقریر میں مقرر کو بہت کم روکا جاتا ہے اور تقریر اس انداز سے ہوتی ہیں گویا معمولی گفتگو ہو رہی ہے۔ نیشنل کونسل میں ممبر کھڑے ہو کر بولتے ہیں۔ مگر دوسرے ایوان میں ممبر اپنی جگہوں پر بیٹھے بیٹھے ہی تقریریں کرنے لگتے ہیں۔

ووٹنگ کے موقعے بھی بہت کم آتے ہیں۔ ایوان میں نشستوں کی ترتیب جماعتی لحاظ سے نہیں بلکہ صوبہ وار ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک پارٹی والوں کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ملکر بیٹھیں بلکہ وہ اپنے اپنے صوبہ کے

نمائندوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح وزارت کے حامیوں یا مخالفوں کیلئے بھی نشستیں مخصوص نہیں ہیں۔ ممبروں کے لئے ہر اجلاس پر ایوانوں میں حاضر رہنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی ممبر معقول وجہ ظاہر کئے بغیر غیر حاضر ہو جائے تو وہ لاپرواہ خیال کیا جاتا ہے۔ اور جب تک وہ غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ نہ بتائے معاوضہ نہیں ملتا۔

جماعت بندی مفقود یہ بات تو نہیں ہے کہ سوئٹزرلینڈ کے ایوانوں میں پارٹیاں ایک سرے سے ہیں ہی نہیں مگر جماعت بندی کا وہ رنگ نہیں ہے جو انگلستان یا فرانس میں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایکطرف تو ایوان وزراء کو معزول کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ دوسری طرف ایوانوں کا کوئی فیصلہ عوام کی تصدیق کے بغیر قانون نہیں بن سکتا۔

چند موٹے موٹے اصولوں پر باہمی رضامندی ظاہر کر کے ممبر پارٹی بنا لیتے ہیں۔ اُن معاملات میں جو اُن اصولوں سے باہر ہوتے ہیں پارٹی کا ہر فرد آزاد ہوتا ہے۔ البتہ جب عہدہ داروں وغیرہ کو چُننے کا سوال ہوتا ہے تو پارٹی کے افراد ضرور سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ کس کس کو رائے دی جائے۔

ریفرینڈم یا عوام کی رائے پوچھنا حکومت کی باگ عوام کے ہاتھوں میں رکھنے کی غرض سے سوئٹزرلینڈ میں قانون سازی کے معاملہ میں دو عجیب وغریب طریقوں سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ طریقے اتنے پسند کئے گئے کہ دوسرے ملکوں نے بھی انھیں اپنانے کی کوشش کی ہیں۔ ایک کو استصواب عامہ (Refrendum) اور دوسرے کو مطالبہ قانون سازی (Initiatine) کہتے ہیں۔

یہ دونوں طریقے انیسویں صدی کی پیداوار ہیں اور ان کی تہ میں یہ تصور کام کرتا ہے کہ قانون بنانے کا کام عوام کے نمائندوں کو نہیں بلکہ خود عوام کو کرنا چاہیئے۔ ریفرینڈم یہ ہے کہ قانون بننے سے پہلے مسودۂ قانون کو مشتہر کر دیا جاتا ہے تاکہ عوام اس کی اچھائی برائی پر غور کر لینے کے بعد اپنی رائے ظاہر کر دیں۔ اس طرح ملک میں کوئی ایسا قانون نافذ نہیں ہو سکتا جس پر عوام کو اعتراض ہو۔

ریفرینڈم کانسٹی ٹیوشن بنانے اور اس میں ترمیمیں کرنے اور معمولی قانونوں کے سلسلے میں صوبائی اور وفاقی دونوں حکومتوں میں استعمال ہوتا ہے اور اسکی دو صورتیں ہیں ا۔ لازمی اور (۲) اختیاری۔

صوبوں میں سے سارے غیر پنچایتی صوبوں میں ریفرینڈم کا رواج ہے اور پنچایتی صوبوں میں اس کی کچھ ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ وفاقی حکومت میں اگر قانون ساز ایوان دستور کی مکمل نظر ثانی پر آمادہ ہوں تو نیا دستور بالکل اسی طرح تیار کر لیا جاتا ہے جیسے ایک معمولی قانون بنایا جاتا ہے۔ اور ریفرینڈم کیلئے مشتہر کر دیا جاتا ہے۔

اگر ایوان اس پر آمادہ نہ ہوں یا پچاس ہزار ووٹر مکمل نظر ثانی چاہیں تو یہ سوال کہ آیا نظر ثانی ہونی چاہیئے یا نہیں مشتہر کیا جاتا ہے۔ اگر اکثریت سوال کے جواب میں ہاں کہے تو نئی قانون ساز کونسلیں اس کام پر لگائی جاتی ہیں۔ جزوی طور پر دستور کی نظر ثانی کونسلیں کرتی ہیں اور پھر معاملہ عوام کے سامنے رکھدیتی ہیں۔ یا پچاس ہزار ووٹر جزوی نظر ثانی کی درخواست کرتے ہیں۔ اگر ان کی طرف سے بنی بنائی تجویزیں آجائیں تو کونسلیں اس پر غور کرنے کے بعد انھیں عوام کی تصدیق کیلئے مشتہر کر دیتی ہیں۔ تجویزیں نہ ہوں تو وہ خود انھیں معیّن صورت دیکر اپنی موافق یا مخالف رائے کیساتھ مشتہر کر دیتی ہیں۔

معمولی قانون سازی کے سلسلے میں صوبوں میں سے فری بورگ کے سوا باقی سب غیر پنچایتی صوبوں میں ریفرینڈم کا رواج ہے۔ گیارہ صوبوں میں ریفرینڈم لازمی اور سات میں اختیاری ہے۔ وفاقی حکومت میں قانون سازی کے معاملہ میں ریفرینڈم صرف اختیاری ہے۔ فیڈرل کونسل کے منظور کئے ہوئے قانونوں کا نفاذ نوے دن تک رکا رہتا ہے اور ریفرینڈم کی درخواست کا موقع دیا جاتا ہے۔ اگر اس عرصہ میں تیس ہزار ووٹر یا آٹھ کینٹون فیڈرل کونسل کو درخواست بھیجیں تو کونسل درخواست موصول ہونے کے چار ہفتے کے اندر اندر قانون کو مشتہر کردیتی ہے۔ اگر کوئی درخواست نہ آئے تو قانون نافذ کردیا جاتا ہے۔

مطالبہ قانون سازی

دوسرا طریقہ مطالبہ قانون سازی۔ (Initiative) ہے۔ دستوری ترمیموں کے لئے فری بورگ کے علاوہ ہر صوبے سے مطالبہ آسکتا ہے۔ مطالبہ پر دستخطوں کی تعداد اور غور کرنے کا طریق بالکل وہی ہے۔ جو ریفرینڈم کی درخواست کے سلسلہ میں اوپر بیان کردیا گیا ہے۔ وفاقی حکومت میں بھی پچاس ہزار ووٹر حکومت کو دستور میں ترمیمیں کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اگر حکومت مخالف ہو تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتی ہے کہ عوام کی ترمیموں کے ساتھ ہی اپنی تجویزیں بھی مشتہر کرے یا عوام کو ووٹروں کی تجویزیں نامنظور کرنیکا مشورہ دے۔

مطالبۂ قانون سازی کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ عوام جماعتِ قانون ساز کو ایک ایسا قانون بنانے کی طرف متوجہ کرسکتے ہیں جس کی وہ ضرورت سمجھیں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر حکومت کسی ضروری قانون کی طرف سے لاپرواہ ہو یا اسکی مخالفت کرے تو مخالفت کے باوجود عوام اسے نافذ کراسکتے ہیں۔

باب ۲۵

وفاقی حکومت

کونسل

انتظامی مجلس سوئٹزرلینڈ کے وفاقی نظام کا یہ عنصر خاص توجہ کا مستحق ہے۔ عام طور پر انتظامی اختیار ایک فرد واحد کی بجائے ایک جماعت کو سپرد نہیں ہوتا اور عاملہ شعبہ عام طور پر پارٹی پالیٹکس سے اتنا بے تعلق بھی نہیں ہوتا جتنا کہ سوئٹزرلینڈ میں ہے۔

فیڈرل کونسل سوئٹزرلینڈ کا کیبنٹ نہیں ہے (جیسا کہ برطانیہ یا اُن ملکوں میں دستور ہے جو برطانیہ کی نقل کرتے ہیں)، کیونکہ اسے نیشنل کونسل کی رہبری کرنے کا حق نہیں ہے اور نہ یہ نیشنل کونسل کے اثر سے آزاد ہے۔ (جیسے امریکہ میں یا امریکہ کی پیروی کرنے والے ملکوں میں کابینے آزاد ہیں)۔ فیڈرل کونسل میں سات ممبر ہوتے ہیں۔ انھیں نیشنل کونسل کے دونوں ایوان اپنے مشترکہ اجلاس میں چنتے ہیں۔ انہی ممبروں میں سے کوئی صدر اور کوئی نائب صدر بنا دیا جاتا ہے۔ سال آئندہ میں یہ دونوں اپنے عہدہ پر فائز نہیں ہو سکتے رواج یہ ہے کہ ایک کینٹن (صوبہ) میں سے ایک ہی ممبر چُنا جاتا ہے۔

ہر ممبر کو ایک ایک انتظامی شعبۂ حکومت دیدیا جاتا ہے اور وہ اس کا پوری طرح ذمہ دار ہوتا ہے مگر سال میں ایک مرتبہ فیڈرل کونسل کا اجلاس بطور کیبنٹ ہوتا ہے اور ضروری معاملوں پر بحث ہوتی ہے۔ کونسل کے سب فیصلے

منعقد ہوتے ہیں اور وہ طول طویل رپورٹ بھی جو اس کی طرف سے ہر سال نیشنل کونسل کے سامنے رکھی جاتی ہے۔ اتفاق رائے سے تیار ہوتی ہے۔

جب تک فیڈرل کونسل کے ممبر افسرانِ عاملہ کی حیثیت سے کونسل میں کام کرتے ہیں وہ کسی ایوان کی کارروائی میں عملی حصہ نہیں لیتے اور نہ کوئی عہدہ قبول کر سکتے ہیں۔ البتہ وہ ایوانوں میں ضرور آتے ہیں۔ مگر جب کوئی ایسا معاملہ پیش ہوتا ہے جو کونسل کے کسی شعبے سے تعلق رکھتا ہو تو وضاحت کے لئے اس شعبہ کا ذمہ دار ممبر طلب کر لیا جاتا ہے۔

آئینی اعتبار سے فیڈرل کونسل کا صدر باقی ممبروں پر کوئی فوقیت نہیں رکھتا، وہ صرف صدر ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ قوم کی بزرگ ترین شخصیت شمار ہوتا ہے۔ تمام قومی تقریبوں پر اسے صدارت کا اعزاز ملتا ہے۔ اس کی تنخواہ چھبیس ہزار فرانک سالانہ ہوتی ہے۔ باقی ممبروں میں سے ہر ایک کو اٹھارہ ہزار فرانک سالانہ ملتے ہیں۔

قانون سازی اور کونسل

عام انتظامی معاملات کی نگرانی کرنے کے علاوہ فیڈرل کونسل خارجی معاملات فوج اور سول سروس کے بندوبست کی بھی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس کے ذمہ ایک اور اہم فریضہ (جس پر پہلے بھی روشنی ڈالی جا چکی ہے)، یہ ہے کہ وہ قوانین کے مسودے تیار کرکے ایوان کے سامنے پیش کرے۔ جب کسی مخصوص غرض کی تکمیل کیلئے کوئی آئینی قدم اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو فیڈرل کونسل قانون کا مسودہ تیار کرتی ہے اور عام طور پر یہ دونوں ایوانوں کو صلاح مشورہ بھی دیتی ہے۔

عام پالیسی کی باگ ڈور نیشنل کونسل کے ہاتھوں میں رہتی ہے مگر فیڈرل کونسل اپنے علم اور تجربے سے اس کے فیصلوں پر گہرے اثرات ڈالتی ہے۔ عموماً انتظامی معاملے

فیڈرل کونسل ہی کے سپرد ہوتے ہیں ۔ جیسے قومی مالیانے کا جمع خرچ اور دوسرے ضروری شعبے جیسے ریلوے وغیرہ۔ نیشنل کونسل ان تمام امور کی انجام دہی میں فیڈرل کونسل کی مدد کرتی ہے۔ نہ صرف فوج ہی فیڈرل کونسل کے حکم پر ہوتی ہے بلکہ قومی خزانہ سے جو رقم صوبوں کو ملتی ہے فیڈرل کونسل اسے بند بھی کر سکتی ہے اور اس طرح ایک باغی صوبہ اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جاتا ہے

کونسل میں اختلاف رائے

فیڈرل کونسل کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ گو ہم آہنگ ہو کر کام کرتی ہے مگر اس میں اختلاف رائے بھی پیدا ہوتا ہے اور اس اختلاف رائے کو برداشت بھی کیا جاتا ہے فیڈرل کونسل کے ممبر نیشنل کونسل کے ایوان میں ضرورت کے وقت عاملہ کی مجموعی رائے سے بھی اختلاف ظاہر کرتے ہیں مگر اس اختلاف رائے سے کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ جھگڑے کی باتوں کے بارے میں یا تو اس کونسلر کی رائے مان لی جاتی ہے جو اس معاملہ سے قریبی تعلق رکھتا ہو یا پھر نیشنل کونسل کے فیصلہ کے آگے سر جھکا دیا جاتا ہے۔

قانونی اعتبار سے فیڈرل کونسل نیشنل کونسل کی ملازم ہوتی ہے لیکن عملاً نیشنل کونسل کو اپنے اثر میں رکھتی ہے۔ اور ایک اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایک طرف یہ نیشنل کونسل کی پیروی کرتی ہے تو دوسری طرف اس کی رہنما بھی ہے کبھی کبھی نیشنل کونسل اس کے فیصلوں کو ٹھکرا بھی دیتی ہے۔ مگر اس سے کونسل کی پوزیشن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ برابر اپنا آئینی کام کئے چلی جاتی ہے۔

کونسل کے فائدے

دستوری اعتبار سے فیڈرل کونسل کے وجود کے دو بڑے فائدے ہیں۔ اول تو یہ ایک ایسی جماعت ہے جو نہ صرف نگران جماعت یعنی نیشنل اسمبلی کو صلاح مشورہ دیتی ہے بلکہ تجربہ کار اور

غیر جانبدار ہونے کی وجہ سے ضرورت کے وقت دو مختلف خیال کی جماعتوں کیلئے جج بھی بن سکتی ہے۔ دوسرے اس کے ذریعہ انتظامی قابلیت رکھنے والے دماغ قوم کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں خواہ وہ نیشنل کونسل سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رکھتے ہوں کیونکہ جزوی باتوں میں نیشنل کونسل سے اختلاف رکھتے ہوئے بھی فیڈرل کونسل انتظامی کام چلاتی رہتی ہے۔

عدل وانصاف

سوئٹرزلینڈ کا نظام عدل وانصاف تشکیل کے لحاظ سے بہت سادہ اور صاف ہے مگر جو فرائض اس کے ذمے ہیں ان کے لحاظ سے بہت پیچیدہ ہے۔ چوبیس ججوں کی ایک عدالت کے جج قومی اسمبلی مقرر کرتی ہے۔ ہر وہ شہری جو وفاقی کونسل کا ممبر ہو عدالت کا جج بنایا جا سکتا ہے مگر جج مقرر کرتے وقت اسمبلی کو تینوں سرکاری زبانوں جرمن فرانسیسی اور اطالوی کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ عدالت کے صدر اور نائب صدر بھی اسمبلی ہی نامزد کرتی ہے مگر عدالت کو اپنے عملے اور افسران کے تقرر کا اختیار ہے۔ عدالت کے جج وفاقی ایوانوں کے ممبر نہیں بن سکتے، نہ کوئی اور عہدہ قبول کر سکتے ہیں اور نہ کسی پیشے یا کاروبار میں پڑ سکتے ہیں۔

وفاقی عدالت دیوانی اور فوجداری مقدموں کے علاوہ وہ مقدمات کو بھی فیصل کرتی ہے جو وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان یا وفاقی حکومت اور افراد کے درمیان ہوں اور مالیت میں تین ہزار فرانک سے اوپر ہوں کبھی قوانین کے ذریعے وفاقی حکومت عدالت کے اختیارات میں توسیع بھی کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ عدالت صوبائی عدالتوں کے فیصل کئے ہوئے مقدموں کے اپیل بھی سنتی ہے۔ دیوانی مقدموں کے لئے عدالت آٹھ آٹھ ججوں کے دو ایوان بنا دیتی ہے۔ ایک کی صدارت صدر کرتا ہے۔

باب ۲۶

سیاسی پارٹیاں

انیسویں صدی کے پہلے پچاس سال میں سوئٹزرلینڈ کے سامنے دو مسئلے تھے۔ ایک کینٹونوں کی حکومتوں میں جمہوریت کی رُوح پھونکنا۔ دوسرے ملک کی غیر چُست اور کمزور حکومت کو ایک منظم اور مضبوط وفاقی حکومت کی شکل میں تبدیل کرنا۔

پہلا مسئلہ سنہ ۱۸۴۵ء تک حل ہوگیا۔ دوسرا سنہ ۱۸۴۸ء کے وفاقی دستور کے آجانے پر تکمیل کو پہونچ گیا۔ ان دونوں مسئلوں کی بنیاد پر دو پارٹیاں بنی ہوئی تھیں۔ لبرل پارٹی جمہوریت کی تائید میں اور فیڈریشن کے قیام کی حامی تھی۔ اس کی مخالفت پر کیتھولک قدامت پرست پارٹی تھی۔

لبرلوں نے وفاقی سوئٹزرلینڈ بنایا اور ایک عرصہ تک نظامِ حکومت پر قابض رہے۔ مگر سنہ ۱۸۷۰ء کے بعد ان کی صفوں میں اپنی جماعتوں کے انتہا پسندوں اور اعتدالیوں میں رسہ کشی شروع ہو جانے کی وجہ سے انتشار ہوگیا۔ انتہا پسندوں نے اس قدر زور پکڑا کہ سنہ ۱۸۷۴ء میں اُنھوں نے ریڈیکل پارٹی کے نام سے اپنی علیحدہ جماعت بنالی۔ ہرچند اس کے بعد سوشلسٹوں کو بڑا عروج ہوا مگر ریڈیکل پارٹی کی طاقت ہمیشہ مانی گئی۔

چار جماعتیں اس وقت سوئٹزرلینڈ میں چار سیاسی جماعتیں ہیں (۱) کیتھولک قدامت پسند۔ (۲) لبرل ڈیموکریٹک (۳) ریڈیکل (۴) سوشلسٹ

ڈیموکریٹک. کیتھولک قدامت پسند ابتدا سے اب تک منظم ہیں. گو ان کی پالیسی میں زمانہ کے تغیرات سے بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ لبرل ڈیموکریٹک پارٹی کی حالت خراب ہے اور دن بدن ابتر ہوتی جارہی ہے۔

ریڈیکل پارٹی بہت طاقتور ہے اس کی پشت پر زراعت پیشوں اور صنعت کاروں کی بھاری اکثریت ہے۔ مگر آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے اس کی طاقت میں بھی کمی آرہی ہے۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی بڑھ رہی ہے مگر اس کے لئے میدان تنگ ہے۔ کیونکہ اوسط درجہ کے زمینداروں کی تعداد سوئٹزرلینڈ میں بہت زیادہ ہے اور وہ کبھی کبھی سوشلزم کو اپنے ملک میں پھولنے پھلنے نہ دیں گے۔

سوئٹزرلینڈ میں جماعتی کش مکش کا وہ عالم نہیں ہے جو اور جمہوری ملکوں میں ہے۔ بلحاظ تنظیم سیاسی جماعتیں بہت قوی اور مضبوط ہوتی ہیں۔ مگر جماعتی طریق کار میں مقابلہ اور کش مکش کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ سیاسی کش مکش کی ملک ہمت افزائی نہیں کرتا۔ وفاقی عاملہ کو عوام منتخب نہیں کرتے۔ ریفرنڈم اور مطالبہ قانون سازی اور نشر قانون کے عمل غیر جماعتی لائنوں پر ہوتے ہیں۔ اسمبلی اور کونسل کے اجلاس بہت ہی مختصر ہوتے ہیں اور پیشہ ور سیاست دانوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔

جماعتی کشمکش کے فقدان کا اصلی سبب

اصلی بات یہ ہے کہ ایک مدت سے وفاقی نظام حکومت کامیابی کیساتھ چلاتے آنیکی وجہ سے اہلِ سوئٹزرلینڈ وفاقی نظام کی کامیابی کے اس گر کو سمجھ گئے ہیں کہ مختلف نسل اور زبان کے صوبوں کے اشتراکِ عمل ہی سے حکومت کا کام چلایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جماعتی کشمکش کے ہنگاموں سے گریز کرتے ہوئے وہ زیادہ سے زیادہ تاجرانہ طریق پر حکومت کے کام انجام دیتے ہیں۔

جرمنی

باب ۲۷

دستوری ارتقا کی داستان

تمہید برطانیہ اور فرانس میں دورِ جدید یا جمہوریت کا زمانہ شروع ہونے سے بہت پہلے ہی سے حریت اور مساوات پسندی کے جذبات باشندوں کی ذہنیت میں سرایت کر چکے تھے اور مناسب موقع ملتے ہی ان دونوں ملکوں کے بیدار افراد نے اپنے اپنے نظامِ حکومت کو جمہوریت اور سیاسی مساوات کے سانچے میں ڈھال لیا۔ ان کے برخلاف جرمنی میں انیسویں صدی تک بھی حالات جمہوریت کیلئے سازگار نہیں تھے۔ اس سے انکار نہیں کہ انفرادی طور پر حریت اور مساوات پسندی کو رواج دینے کی کوششیں ہوئیں مگر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ وہ بالکل بے اثر رہیں۔

مقدس دولتِ روما (The Holy Roman Empire) بے جان ہو چکی تھی اور جرمنی کی تین سو مطلق العنان ریاستوں میں، جو ایک دوسرے کی دشمن اور اتحاد و اتفاق کے نام سے دور بھاگتی تھیں، شخصی حکومتیں تھیں جو رائے عامہ کو ٹھکرا دیتی تھیں۔ ملک کی اقتصادی زندگی کا ایک ایک جوڑ ریاستی حکمرانوں کے اپنے مطلب کے قانون میں جکڑا ہوا تھا جو اصلاح اور ترقی کی ہر کوشش کو فوجی طاقت سے دبا دیتے تھے۔ عوام خود جاہل اور ناسمجھ تھے۔ وہ بھی حصولِ جمہوریت میں سدِّ راہ بنے ہوئے تھے۔

جمہوریت پسندوں اور شخصی حکومت کی کشمکش ۱۸۱۵ء سے ۱۸۴۸ء تک

انیسویں صدی کے شروع میں جمہوریت پسندی کا جذبہ جرمنی میں دو تحریکوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ایک قومی اتحاد چاہتی تھی، دوسری آئینی حکومت مانگتی تھی۔ ان تحریکوں کی ترقی کیلئے زمین یوں ہموار ہوئی کہ ایک تو نپولین نے انہیں سے بیشتر بوناپارٹ کے حکومتوں کو ختم کر دیا جن میں شخصی حکومت تھی۔ دوسرے کانگریس آف وائنا نے ۱۸۱۴ء میں مردہ رومن ایمپائر کی جگہ ملک کی حکمرانی جرمن کانفڈریشن کو سپرد کر دی۔

یہ صحیح ہے کہ اس کانفڈریشن کی پارلیمنٹ (Buntestag) مضحکہ خیز طور پر کمزور تھی۔ مگر اس سے آئینی حکومت کی طرف ایک قدم ضرور اٹھا۔ ۱۸۰۸ء میں پروشین میونسپل ایڈکٹ (Prussion Municipal Eddict) بھی پاس ہو چکا تھا جس سے رائے دہی کا حق زیادہ عام کر دیا گیا تھا۔ اور انتخابی عاملہ اور ٹاؤن کونسلیں قائم ہو گئی تھیں اور میونسپلیٹوں کو اپنے معاملات میں زیادہ آزادی مل گئی تھی۔

آسٹریا کی قیادت

مگر پھر بھی ۱۸۱۵ء میں جرمنی بہت سی شخصی حکومتوں کا گہوارہ ہی تھا۔ آسٹریا کی قیادت میں سارا ملک اڑتیس ریاستوں کی ایک فیڈریشن کے ماتحت تھا۔ فیڈریشن کا کام چلانے کیلئے ایک غیر اہم اور بیکار سی مجلس تھی جسے ڈائٹ کہتے تھے مگر کوئی مشترک انتظامی ادارہ نہیں تھا۔

پروشیا میں اسمبلی کا قیام

فیڈریشن کی دو اہم ترین ریاستوں پروشیا اور آسٹریا نے کسی قسم کا جمہوری آئین مرتب کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پروشیا کے تاجدار فریڈرک ولیم سوئم نے دستور اساسی

بنانے اور نیشنل کونسل قائم کرنے کے وعدے کئے مگر یہ وعدے کبھی شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکے۔

۱۸۴۷ء میں اس کے بیٹے فریڈرک ولیم چہارم نے عوام کے مطالبہ سے متاثر ہو کر اتنا کیا کہ ایک مشترکہ اسمبلی بنائی جو صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں پر مشتمل تھی۔ مگر جب ان ممبروں نے دستور بنانا چاہا تو شاہی عتاب کا شکار ہوئے۔ اور دستور بنانے کی سختی سے ممانعت کر دی گئی۔

جمہوریت کی تخم ریزی مگر جمہوریت کا جذبہ ملک میں پیدا ہو چکا تھا اور روز افزوں ترقی کر رہا تھا۔ جمہوریت پسندوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو جرمنی میں ری پبلک دیکھنا چاہتے تھے۔ عام لوگوں تک کے دماغوں میں جمہوریت کا تصوّر پیدا ہو چکا تھا۔ اب دیر صرف کسی ایسے موقع کی تھی جو جذبات کو بھڑکا کر لوگوں کو عمل پر آمادہ کر دے۔ اور یہ موقع پیرس کا انقلاب ۱۸۴۸ء بن گیا۔ تمام جرمنی اس انقلاب سے متاثر ہوا اور جمہوری جذبات کے شعلے دفعتاً بھڑک اٹھے۔

انقلاب پیرس کا اثر ریاستوں کے حکمرانوں نے جب رنگ بدلتا دیکھا تو عوام کے مطالبے کے آگے جھکنے لگے اور ۱۸ مئی ۱۸۴۸ء کو فرانک فورٹ کے مقام پر ایک پارلیمنٹ بلائی گئی جس کے ۵۸۶ ممبروں کو عوام نے منتخب کیا تھا۔ اس میں ریاستوں کے حکمران یا ان کے ڈیلی گیٹ شامل نہیں تھے۔ یہ پارلیمنٹ اپنے فیصلوں اور مباحثوں میں حکومت کے اثر سے بالکل آزاد تھی۔ حل طلب سوال یہ تھا کہ خود مختار ریاستوں کے ایک کچے تعلق کو کس طریق سے ایک ایسے مضبوط سیاسی رشتے میں تبدیل کیا جائے جس پر جرمنی کیلئے ایک آئینی فیڈریشن کی بنیاد رکھی جا سکے۔

مگر جب بحث و مباحثہ شروع ہوا تو آپس کی نااتفاقیوں اور غیر ضروری خیال آرائیوں کی وجہ سے پارلیمنٹ کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہیں پہونچ سکی۔ اور اتنے میں کہ پارلیمنٹ کے ممبران کوئی فیصلہ کریں خود مختار ریاستوں کے حکمرانوں نے اپنی اپنی رعایا کی شورش کو دبا دیا اور پارلیمنٹ کو ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کر دیا جس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جرمنی کی دستوری حکومت کے دو ایوان ہوں جن کے ممبران رائے عامہ منتخب کرے اور حکومت کا بار ایک ذمہ دار وزارت کے کاندھوں پر رکھا جائے۔

جمہوریت پسند دستوری حکومت کی بنیاد رکھنے میں تو ناکام رہے۔ مگر ۱۸۴۸ء کی انقلابی تحریک سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ۱۸۵۰ء میں پروشیا کے بادشاہ ولیم چہارم نے پروشیا کو آئینی حکومت دیدی۔ جو آئین اس کی طرف سے تفویض ہوا وہ جمہوریت پسندوں کیلئے مایوس کن تھا۔ مگر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ دو ایوانی پارلیمنٹ ہوگئی اور حق رائے دہی وسیع تر ہوگیا۔

قومی اتحاد کا تصور اور پروشیا کی قیادت

جوں جوں وقت گزرتا گیا ذوربین جرمنوں پر یہ بات واضح سے واضح تر ہوتی گئی کہ ایک جدید جرمنی جمہوری اصولوں پر چل کر نہیں بلکہ ریاستوں کے بحثہ اشتراک سے وجود میں آسکتا ہے۔

سوال یہ تھا کہ اس ریاستی اشتراک کی قائد کون سی ریاست ہو۔ بڑی بڑی ریاستیں دو ہی تھیں۔ پروشیا اور آسٹریا۔ اور بلحاظ اقتدار دونوں تقریباً برابر برابر تھیں۔ مگر آسٹریا میں نسلی امتیازات اور تفریقوں سے ملک کی طاقت بٹی ہوئی سی تھی۔ اور یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اسکا سیاسی ماحول جرمن مفاد کی پرورش کرسکے گا۔ برخلاف اس کے پروشیا خالصاً جرمن مفاد کی حامی تھی اور

آئینی اور اقتصادی اعتبار سے بھی اس کی حیثیت ایسی تھی کہ وہ سیاسیات میں قومی اتحاد کے لئے تمام جرمنوں کا مرکزِ خیال بن سکتی تھی۔

چنانچہ پروشیا کو جرمن ریاستوں میں روز بروز قیادت کا درجہ حاصل ہوتا گیا اور ۱۸۶۰ء میں جرمن اہل الرائے کے دور بین طبقے کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ پُرانا کانفڈریشن توڑ دینا پڑے گا اور پروشیا کی قیادت میں سب ریاستوں کو ملا کر ایک کر دینے ہی سے متحدہ جرمن قومیت کا ظہور ہوگا۔ کچھ عرصہ کیلئے جرمنی کی قومی ترقی اور پروشیا کی کامیابی دونوں ہم معنی ہوگئیں۔

بسمارک کے جوڑ توڑ

۱۸۶۲ء میں آٹو وون بسمارک پروشیا کی وزارت کا صدر بنا۔ وزارت کی باگ ہاتھ میں آتے ہی اس نے آسٹریا کو پست کرنے کیلئے جوڑ توڑ شروع کئے جو جرمنی کے قومی اتحاد کے راستہ میں روڑا بنا ہوا تھا۔ ۱۸۶۶ء میں جب آسٹریا کی قیادت میں کانفیڈریشن کی تنظیم کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اس نے ملک کے سامنے وہ ہنگامہ خیز تجویز پیش کر دی جس کے دو اہم پہلو آسٹریا کی علیحدگی اور عام رائے سے جرمن نیشنل پارلیمنٹ کا انتخاب تھے۔

آسٹریا کو اس تجویز سے انکار کرنا ہی تھا۔ اس انکار پر بسمارک نے پُرانے کانفڈریشن کو توڑ ڈالا اور جرمن فوجیں آسٹریا پر چڑھا دیں اور اُسے فوری شکست دے کر یہ منوا لیا کہ پُرانے کانفڈریشن کو توڑ کر ایک نیا کانفڈریشن قائم کیا جائے جس میں قائدِ اعظم کی حیثیت پروشیا کو حاصل ہو اور جس میں آسٹریا کیلئے کوئی جگہ نہ ہو۔

نفاذِ دستور

یوں پروشیا کی قیادت میں جرمنی کے سیاسی اتحاد کا راستہ کھل گیا۔ دسمبر ۱۸۶۶ء میں بسمارک کی دعوت پر کانفڈریشن کے سب ڈیلی گیٹ پروشیا میں جمع ہوئے۔ اور ایک دستور اساسی جو بسمارک

ہی نے تیار کیا تھا وقتی طور پر منظور کرلیا گیا۔ دس دن بعد ایک نمائندہ اسمبلی جسے رائے عامہ نے خفیہ طریق رائے دہی سے چُنا تھا دستور اساسی پر غور کرنے بیٹھی سات ہفتے کے بحث و مباحثہ کے بعد ایک بہت بڑی اکثریت سے اس جماعت نے دستور کو منظور کرلیا۔ پھر ۲۲ ریاستوں کی پارلیمنٹوں نے دستور کی تصدیق کی اور یکم جولائی کو آئین نافذ ہوگیا۔

دستور کے بنیادی اصول

اس آئین میں بنیادی اصول چار تھے۔

(۱) ریاستیں انفرادی طور پر خود مختار ہوں گی (۲) خارجی پالیسی کے معاملہ میں کانفڈریشن کو مکمل اختیار ہوگا (۳) صلح اور جنگ دونوں حالتوں میں فوجی اختیارات کی نگرانی پروشیا کرے گا۔ (۴) پبلک پالیسی کے سلسلہ میں کسی حد تک عوام کی رائے سے فیصلے کئے جائیں گے۔

بڑے بڑے قومی ادارے چار تھے۔ (۱) پریزیڈنسی (Presidium.) جو پروشیا کے شاہی خاندان کی نسلی وراثت سمجھی گئی۔ (۲) فیڈرل کونسل (Bun ndeskanzter) جو پریزیڈنٹ کی مدد کرتی تھی۔ (۳) بڑی کونسل (Bund eerdth) جس میں ریاستوں کے نمائندے تھے (۴) اسمبلی (Bundestag)

وقتی طور پر وہ ریاستیں جو دریائے مین کے کنارے پر تھیں نظر انداز کردی گئیں تھیں مگر فیڈریشن کے دستور اساسی میں نئے ممبروں کے لئے جگہ رکھی گئی تھی۔

باب ۲۸

۱۸۷۱ء کا دستور

جرمن ایمپائر کا قیام

اتحاد کی تکمیل

۱۸۷۰ء میں یہ طے پایا کہ جرمن کانفڈریشن کو جرمن ایمپائر کی صورت دیدی جائے اور پروشیا کے بادشاہ کا خطاب پریزیڈنٹ کی جگہ شہنشاہ (Deudscher Caiser) ہو۔ اس سے بسمارک جرمنی کے سیاسی اتحاد کو مکمل کر دینا چاہتا تھا۔ ۱۸۷۰ء میں پروشیا کا بادشاہ شہنشاہ جرمنی بن گیا۔ اور اسی سال ان جنوبی ریاستوں کی خاطر جنہوں نے اپنی طرف سے فیڈریشن میں شرکت پر آمادگی ظاہر کر دی تھی دستور پر نظر ثانی ہوئی۔ ۳۱ مارچ کو برلن میں پارلیمنٹ (Reichtag) بلائی گئی۔ ۱۴ اپریل کو ترمیم شدہ دستور پر منظوری مل گئی۔ اور دو دن میں یہ ملک کا آئین بن گیا۔

۱۸۷۷ء میں بسمارک نے کہا تھا کہ ہمارے کانسٹی ٹیوشن میں ترقی کرنے کی اتنی ہی صلاحیت ہے جتنی کہ برطانوی آئین میں ہے۔ اس صلاحیت کو بڑھانے کے لئے یہ طریقہ رکھا گیا کہ وہ دفعات جن کا خاص خاص ریاستوں کے حقوق سے تعلق تھا ان ریاستوں کی مرضی کے بغیر نہیں بدلی جا سکتی تھیں۔ ان کو چھوڑ کر آئین کی ہر دفعہ فیڈرل کونسل اور پارلیمنٹ کی اکثریتوں کی مرضی سے تبدیل ہو سکتی تھی۔ اور شہنشاہ ان ترمیم شدہ قوانین کو نافذ کرنے کا مجاز تھا۔

ایک اعتبار سے یہ طریقہ بہت سہل تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی آئین میں یہ بات بھی درج تھی کہ وہ ترمیمات جن کے خلاف فیڈرل کونسل میں سترہ رائیں آجائیں مسترد سمجھی جائینگی فیڈرل کونسل میں اتنی یکجا رائیں ریاست پروشیا ہی کی ہو سکتی تھیں۔ اور چونکہ تین اور ریاستیں بھی ریاست پروشیا ہی کی مٹھی میں تھیں پروشیا کی حکومت کسی ایسی ترمیم کی راہ مار سکتی تھی جسے وہ ناپسند کرتی ہو۔ گویا پروشیا کی مرضی سے تو دستور اساسی کا بدلنا آسان تھا لیکن ہر اس صورت میں جبکہ پروشیا تبدیلی کی مخالف ہو کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتی تھی۔

تقسیم اختیارات کا سوال

ملک میں ۲۵ ریاستیں تھیں۔ آئین کے نفاذ سے پہلے ہر ریاست اپنی جگہ پر خود اختیار اور مطلق العنان تھی۔ اور اپنا الگ نظام حکومت رکھتی تھی۔ فیڈریشن کے بعد ان کی وہ خود مختاری ختم ہوئی۔ اور شہنشاہیت کے بعد تو ان کی مطلق العنانی بھی جاتی رہی۔ اب یہ سوال سامنے آیا کہ فیڈریشن اور ریاستوں میں قانون سازی اور انتظام کے اختیارات کس طرح تقسیم کئے جائیں۔

فیڈرل حکومت کے اختیارات معیّن کر دیے گئے۔ اور ریاستوں کے اختیارات غیر معینہ اور وسیع تر رکھے گئے۔ آئینی ترمیموں سے مرکزی حکومت اپنے اختیارات کو بڑھا سکتی تھی۔ مگر ریاستوں کی حکومتوں کے اختیارات اسی سمت میں پھر بھی غیر محدود تھے شربت، اجناس کی قیمت مقرر کرنے، سکہ سازی اور فوجی اور بحری انتظامات میں مرکزی حکومت کو خاص اختیارات ملے۔

مرکز اور ریاستوں کا انتظامی تعلق

اپنی حکومتوں کی تشکیل، وراثت کے قانون اور اندرونی انتظام سلطنت کے فیصلے کا اختیار تنہا ریاستوں کو سونپ دیا گیا۔ مگر یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ مرکزی حکومت کا رجحان یہی تھا کہ ریاستوں کے ان اختیارات میں جو انہیں پہلے سے

حاصل ہیں کچھ کمی نہ کی جائے۔

چنانچہ مرکزی حکومت نے بار ہا بعض ایسے معاملوں میں کل ملک کے لئے قوانین وضع کئے جو ان کے نہ ہونے کی صورت میں ریاستوں کے اختیار میں ہوتے۔ اسی طرح ریاستوں کی عدالتیں شاہی قوانین سے گریز نہیں کرتی تھیں۔ خارجی پالیسی، بحری بیڑے محکمۂ تار اور ڈاک خانہ کے سلسلہ میں تمام اختیار مرکز کے حکومتی اداروں کے ہاتھ میں تھا۔ فوجی نظام یکسر مرکزی تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ فوج پروشیا ہی کے قبضے میں تھے۔ اور ٹیکس مرکز کی حکومت لگاتی تھی۔ اور ریاستی حکومتیں وصول کرتی تھیں۔

قانوناً مرکز کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ کسی ریاست کو فیڈریشن سے خارج یا کسی دوسری ریاست سے ملحق یا منقسم کر سکے یا اس ریاست کی اپنی مرضی کے بغیر کانفیڈریشن میں اسکی دستوری حیثیت میں کوئی تغیر و تبدل کرے۔ اسی طرح کسی ریاست کو فیڈریشن سے الحاق توڑنے یا اپنے اختیارات میں اضافہ کر لینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اس صورت میں جبکہ کوئی ریاست مرکزی حکومت سے سرکشی کرے شہنشاہ کو یہ اختیار تھا کہ وہ فیڈرل کونسل کی مخالفت بھی فیڈرل افواج اس ریاست کے خلاف استعمال کرے۔

ریاستوں میں کسی قسم کے امتیاز یا برابری کا کوئی سوال نہیں تھا۔ جرمن شہنشاہیت قائم کرتے وقت فیڈرل ریاستوں میں وسعت آبادی اور روایات کے اعتبار سے بڑا فرق تھا۔ مگر اس فرق کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ البتہ چونکہ پروشیا کی آبادی ہی اتنی تھی۔ جتنی سب ۲۴ ریاستوں کی ملا کر بھی نہیں تھی۔ یہ ریاست ایمپائر میں نمایاں ترین حیثیت کی مالک ہو گئی۔

پروشیا کا بادشاہ جرمنی کا شہنشاہ بن گیا۔ پروشیا کی رائیں ایوان میں سب سے زیادہ ہو گئیں۔ فیڈرل کونسل کی اسٹینڈنگ کمیٹیوں کی صدارتیں مستقلاً پروشیا کے حصے میں آتی رہیں۔ آئین کی رو سے فوج شہنشاہ جرمنی یعنی شاہ پروشیا کے ماتحت رہی۔

باب ۲۹

۱۸۷۱ئہ کا دستور

قیصر

شاہ پروشیا کا نیا عہدہ

شاہ پروشیا جرمنی کا شہنشاہ تو بن گیا۔ مگر اس سے اس کی سابقہ آئینی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اسے شہنشاہ جرمنی بنانے سے غرض صرف اتنی تھی، کہ تمام جرمن قوم کو متحد کر لیا جائے۔ نئے خطاب کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اسے تمام جرمنی پر شہنشاہیت کے حقوق حاصل ہو گئے۔

چنانچہ شاہی تاج، امپیریل سول لسٹ اور منصب شہنشاہی وغیرہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ البتہ وہ اپنی ذات اور اپنے خاندان کا خصوصی تحفظ کر سکتا تھا۔ قانونی چارہ جوئی سے اونچا تھا۔ کسی دنیاوی طاقت کے ماتحت نہیں تھا۔ کسی ٹریونل کے سامنے نہیں بلایا جا سکتا تھا۔ اور نہ کوئی قانونی چارہ جوئی اسے تخت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر سکتی تھی۔ اس کی ذات پر جارحانہ حملے کی سزا موت تھی۔ اور اس کے خلاف لکھنے، یا بولنے پر بھی سخت سزا رکھی گئی تھی۔

قیصر کے اختیارات

بحیثیت شہنشاہ اسے تین قسم کے اختیارات تھے بعض اختیارات اس حیثیت کے ساتھ مخصوص تھے جو قیصر جرمنی کو شاہ پروشیا ہونے کی صورت میں حاصل تھے۔ کچھ دیگر اختیارات اسے شہنشاہ ہونے پر ملے تھے۔ اور تیسری قسم کے اختیارات وہ تھے جو اس لئے دے دیئے گئے تھے۔

کہ ریاست پروشیا جس کا وہ تاجدار تھا، امپائر میں غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

شہنشاہ کی حیثیت میں اسے فیڈرل کونسل اور پارلیمنٹ طلب کرنے، ان کا افتتاح کرنے، انہیں ملتوی کرنے اور توڑ دینے کا اختیار تھا۔ وہ قانون جو فیڈرل کونسل میں منظور ہوتے تھے شہنشاہ کے نام سے پارلیمنٹ میں پیش ہوتے تھے۔ اور منظوری دینے کے بعد شہنشاہ ہی انہیں نافذ کرتا تھا۔ ویٹو کا اسے کوئی حق نہیں تھا۔ البتہ وہ بے قاعدگی کا عذر رکھ کر اشاعت قانون سے انکار کرسکتا تھا۔ مگر کسی قانون کو مخالفت موضوع ہی کی بنا پر وہ رد نہیں کرسکتا تھا۔ البتہ شاہ پروشیا کی حیثیت میں اسے فیڈرل کونسل میں غیر معمولی کثرت رائے حاصل تھی۔ اور اس سے کام لیتے ہوئے وہ ہر قانون کا راستہ روک سکتا تھا۔

لامحدود طاقت۔

چانسلر کے دستخطوں سے وہ آرڈیننس بھی جاری کرا سکتا تھا۔ فیڈرل کونسل کی تحریک پر وہ پارلیمنٹ یا شاہی عدالت کے ممبر مقرر کرنے کا مجاز بھی رکھتا تھا۔ گو قانوناً وہ انہیں معزول نہیں کرسکتا تھا۔ شہنشاہ کو یہ بھی اختیار تھا کہ شاہی عدالت کے فیصلے کو منسوخ کرکے کسی مجرم کو معافی دیدے۔ آئین کی رو سے شاہی قوانین کا نفاذ بھی شہنشاہ کے سپرد تھا۔

مختلف ریاستوں میں شہنشاہ کی طرف سے ایجنٹ رہتے تھے۔ اگر کوئی ریاست شاہی قوانین سے روگردانی کرتی تھی تو یہ ایجنٹ شہنشاہ کے پاس رپورٹ بھیجدیتے تھے اور بادشاہ ریاست کی سرتابی کی کیفیت فیڈرل کونسل کے سامنے رکھتا تھا۔ فیڈرل کونسل کو یہ اختیار تھا کہ اگر وہ چاہے تو سرتابی کرنے والی ریاست کے خلاف فوج استعمال کرے۔ اور اسے قانون کے آگے جھکنے پر مجبور کردے۔ بلکہ آئین نے شہنشاہ کو چانسلر کے علاوہ شاہی عہدہ داروں کے تقرر اور عزل کا اختیار بھی دیدیا تھا۔ اور وقت ضرورت وہ ان سے حلف وفاداری بھی لے سکتا تھا۔ اس طرح شہنشاہ کی طاقت لامحدود ہوگئی تھی۔

جہاں تک خارجی تعلقات کا سوال ہے بین الاقوامی معاملات میں شہنشاہ ہی ملک کی نمائندگی کرتا تھا۔ اور خارجہ حکومتوں سے معاہدے بھی کر سکتا تھا۔ اسے یہ بھی اختیار تھا کہ آزادانہ کسی حکومت خارجہ کے خلاف اعلان جنگ کر دے۔ یا اس سے صلح کرے۔ کونسل کی تجارتی کمیٹی کے مشورے کے بعد ممالک غیر کے لئے سفیروں کا انتخاب بھی شہنشاہ ہی کرتا تھا۔ البتہ ان صلحناموں کے لئے جن کا انتظامِ مملکت سے کوئی واسطہ ہوتا تھا بادشاہ کو فیڈرل کونسل سے منظوری لینی پڑتی تھی۔

فوج پر بھی شہنشاہ کا پوری طرح تصرف تھا۔ وہ ملک کی بحری و بری فوجوں کا کمانڈر انچیف تھا۔ ہر ریاست کی اپنی جداگانہ فوج تھی۔ اور ہر ریاست میں سر گروہ اس کا سپہ لار تھا۔ مگر اس فوج کی بھرتی، اس کا انتظام اور فوجی قواعد شاہی قانون کے ماتحت ہوتی تھی۔ سپاہ کی قوت شاہی قانون ساز جماعتیں مقرر کرتی تھیں۔ اس کے اخراجات شاہی خزانہ سے ادا کئے جاتے تھے۔ اور شہنشاہ کو اس فوج پر غیر محدود اختیارات حاصل تھے۔

باب ۳۰

سنہ ۱۸۷۱ء کا دستور

چانسلر اور فیڈرل کونسل

ایک فرد کا کابینہ

کابینہ کی جگہ صرف ایک چانسلر مقرر کیا جاتا تھا۔ یہی چانسلر فیڈرل کونسل کی صدارت اور کارروائی کی نگرانی کرتا تھا۔ کونسل کی تاریخیں بھی وہی مقرر کرتا تھا۔ ریشتاخ اور ریاستوں سے جو خط و کتابت کونسل کے نام پر ہوتی تھی اور جو تجاویز ان کی طرف سے کونسل کے پاس آتی تھیں وہ سب چانسلر کی نظر سے گذرتی تھیں۔ ریشتاخ میں فیڈرل کونسل کے منظور کردہ مسودے شہنشاہ کے نام پر چانسلر ہی پیش کرسکتا تھا۔ اور اسی کے اعلان کے بعد منظور شدہ مسودے قوانین کی شکل بھی اختیار کرتے تھے۔

انتظامی امور میں بھی چانسلر کو ایسی بلند حیثیت حاصل تھی جس کی نظیر دیگر ممالک کے دستوروں میں نہیں ملتی۔ سنہ ۱۸۷۱ء سے پہلے چانسلر صرف ایک ہی محکمہ کی مدد سے انتظامی امور کا بندوبست کرتا تھا۔ مگر سنہ ۱۸۷۱ء سے لے کر سنہ ۱۸۷۹ء تک سات محکمے، محکمہ خارجہ، محکمہ نوآبادیات، محکمہ داخلہ، محکمہ عدل، محکمہ خزانہ، محکمہ افواج اور محکمہ ڈاک بن گئے۔ ان محکموں کے سرعسکروں کو کابینہ کے ممبران کی سی حیثیت حاصل نہیں تھی (جیسا کہ دیگر ممالک میں ہوتا ہے)۔ بلکہ وہ فرداً فرداً چانسلر کے مشیر تھے۔ اور اپنے افعال کے لئے شہنشاہ کے سامنے نہیں۔ بلکہ چانسلر ہی کے سامنے جوابدہ تھے۔

قیصر اور چانسلر کا تعلق

چانسلر صرف بادشاہ کے سامنے جوابدہ تھا۔ جن معنوں میں وزرا رسلطنت فرانس اور انگلینڈ میں ذمہ دار ہیں، جرمنی میں چانسلر ان معنوں میں ذمہ دار نہیں تھا۔ کسی معاملہ کے متعلق صرف شہنشاہ ہی اس سے باز پرس کر سکتا تھا۔ ریشتاخ میں چانسلر کے افعال پر نکتہ چینی ہو سکتی تھی۔ اور اس کے پیش کردہ مسودے مسترد بھی کئے جا سکتے تھے۔ اور بعض اوقات رائے عامہ سے متاثر ہو کر شہنشاہ کو چانسلر کا عزل بھی گوارا کرنا پڑتا تھا۔ مگر جس طرح رائے عامہ کے مخالف ہونے کی صورت میں برطانیہ اور فرانس میں وزرار کا قلمدان وزارت خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ جرمنی میں جماعت قانون ساز کے عدم اعتماد سے چانسلر کو معزول نہیں کیا جا سکتا تھا

فیڈرل کونسل کی تشکیل

فیڈرل کونسل جرمنی کی شاہی حکومت کا حکمران انتظامی ادارہ تھی۔ اور اسے قانون سازی، انتظامی امور اور عدالت وسیاست کے وسیع اختیارات حاصل تھے۔ اس میں ریاستوں اور آزاد شہروں کے ڈیلیگیٹ آتے تھے۔

کل پچیس ریاستوں میں سے پروشیا کو سترہ، بویریا کو چھ، سکینی کو چار، ورٹمبرگ کو چار، بیڈن کو تین، ہیسے کو تین، میکلنبرگ شویرن کو دو، برنزوگ کو دو اور باقی کی سترہ ریاستوں کو ایک ایک ڈیلیگیٹ بھیجنے کا حق تھا۔ کونسل کے معینہ ممبروں کی تعداد اکسٹھ تھی۔ ڈیلیگیٹ عموماً اس ریاست کے افسران ہوتے تھے۔ جس کی طرف سے وہ بھیجے جاتے تھے۔

ریاستی حکومتوں کی طرف سے ڈیلیگیٹ سبکدوش کئے جا سکتے تھے اور نئے ڈیلی گیٹ بھیجنے کا انہیں حق تھا۔ یہ ڈیلی گیٹ معاملات پر آزادانہ رائے نہ دے سکتے تھے بلکہ جس ریاست یا شہر کی نمائندگی کرتے تھے اس کے ارباب اختیار کی بتائی ہوئی پالیسی

کے مطابق کام کرنا ہوتا تھا۔ اور چونکہ ڈیلیگیٹ اپنی انفرادی حیثیتوں میں ووٹ نہ دے سکتے تھے۔ اس لئے ووٹ ڈیلی گیٹوں کی بجائے ریاستوں کے نام پر دئے جاتے ہیں۔ مثلاً بویریا کو چھ ووٹ حاصل تھے۔ کسی معاملہ میں ریاست کے ارباب اختیار کے فیصلے کی رُو سے یہ پورے چھ ووٹ یا تو مخالف ہو سکتے تھے یا موافق۔ یہ ممکن نہ تھا کہ چھ میں سے دو ایک طرف جائیں اور باقی چار دوسری طرف۔

ہر ریاست کو تجاویز پیش کرنے کا حق تھا۔ صرف شہنشاہ اس حق سے محروم رکھا گیا تھا۔ مگر شاہ پروشیا ہونے کے لحاظ سے وہ پروشیا کے ڈیلی گیٹوں کے ذریعہ تجاویز پیش کرا سکتا تھا۔ کونسل کے اجلاس بند کمرے میں ہوتے تھے۔ اور اجلاس کے اختتام پر عموماً اخبارات کو کارروائی کے متعلق ایک بیان دے دیا جاتا تھا۔ مگر جب ممبروں کو بیان دینا پسند نہ ہوتا تھا تو کوئی بیان نہ دیا جاتا تھا۔

فیڈرل کونسل کا کام یہ تھا کہ وہ ریشتاخ کے غور و خوض کے لئے قانونی مسودے تیار کرتی تھی۔ یہ کام کمیٹیوں کے ذریعہ ہوتا تھا۔ کل بارہ کمیٹیاں تھیں۔ آٹھ کو دستوری حیثیت حاصل تھی۔ چار ہنگامی طور پر وجود میں آگئی تھیں۔ پورے سال کے لئے ایک ہی دفعہ کمیٹیاں بنتی تھیں۔ فیڈرل کونسل ہی انہیں بناتی تھی۔ بحری کمیٹی کا تقرر شہنشاہ خود کرتا تھا اور فوج اور تحفظ کی کمیٹیوں میں ایک کے سوا باقی سب ممبر بھی شہنشاہ کی طرف سے مقرر کئے جاتے تھے۔ مستقل کمیٹیوں کے سات ممبر ہوتے تھے۔ بحری کمیٹی کے صرف پانچ ممبران ہوتے تھے۔

دستور کی رو سے قانون بنانے کا حق صرف ریشتاخ کو ملا تھا۔ مگر عملاً صرف فیڈرل کونسل قانون بناتی تھی۔ یہاں تک کہ مالی مسودے بھی باقاعدہ طور پر کونسل ہی سے چلتے تھے۔ تیاری بحث اور رائے شماری کے بعد قانونی مسودے ریشتاخ میں غور و خوض کے لئے بھیجدئے جاتے تھے۔ اور منظور ہو جانے کے بعد پھر کونسل کو

بھیج دیئے جاتے تھے۔ تاکہ اس سے پہلے کہ شہنشاہ ان کا نفاذ عمل میں لائے کونسل ایک بار پھر ان پر غور کرلے۔ مختصر یہ ہے کہ ریشتاخ کی مرضی کے بغیر فیڈرل کونسل قانون بناتی تھی۔

انتظامی اختیارات۔

انتظامی امور میں فیڈرل کونسل کو دو قسم کے اختیارات تھے۔ ایک تو وہ ان معاملات کے سلسلہ میں جن کے لئے دستور میں گنجائش نہ نکلتی ہو ایسے اضافی قانون بنا سکتی تھی جو دستور اساسی کی کسی دفعہ کی تردید نہ کریں۔ یہ کام آرڈیننسوں سے لیا جاتا تھا۔ دوسرے بعض ایسے اختیارات ... شہنشاہ کو ملے ہوئے تھے صرف کونسل کی مرضی ہی سے استعمال کئے جاسکتے تھے۔ شہنشاہ کی مرضی سے کونسل نمائندہ اسمبلی کو توڑ بھی سکتی تھی۔ کونسل کا ہر ایک ممبر ریشتاخ میں تقریر کرسکتا تھا۔ یہ وہی صورت ہے جو پارلیمنٹری حکومتوں میں وزراء اختیار کرتے ہیں۔ مگر وہ کسی ایسے مسودے کے حق میں تقریر کرنے کے لئے ریشتاخ کے پلیٹ فارم پر نہیں آتے تھے جسے فیڈرل کونسل نے منظور کرلیا ہو۔ بلکہ وہ اپنی اپنی ریاستوں کے مفاد کے تحفظ کی غرض سے ریشتاخ میں بولتے تھے۔ سالانہ بجٹ فیڈرل کونسل ہی بناتی تھی۔ اور ریاستوں میں شاہی کمیٹی حسابات کی جانچ پڑتال کرتی تھی۔ ہرچند افسران کا تقرر شہنشاہ ہی کرتا تھا۔ مگر بعض آسامیاں فیڈرل کونسل اپنی مرضی سے بھی پُر کرتی تھی۔

باب ۳۱

۱۸۷۱ء کا دستور

ریشتاخ

طریق انتخاب فیڈرل کونسل وفاقی بنیادوں پر قائم تھی۔ مگر اس کے برخلاف ریشتاخ قومیت کی بنیاد پر استوار کی گئی تھی۔ اس جماعت کے ممبر عوام کی بلاواسطہ رائے دہی (Direct Voting) سے پانچ برس کے لئے چنے جاتے تھے۔ ان کا انتخاب تمام ملک میں ایک مقررہ دن ہوتا تھا ریشتاخ کی نشستیں ۳۸۲ مقرر کی گئی تھیں ۱۸۷۳ء میں ان کی تعداد بڑھا کر ۳۹۷ کر دی گئی۔ ہر انتخابی حلقہ سے ایک ممبر لیا جاتا تھا۔ اور حلقے اس طرح بانٹے گئے تھے۔ کہ ایک حلقے میں ایک لاکھ رائے دہندگان آجاتے تھے۔ رائے دہی بہت کافی حد تک جمہوریت کا رنگ لئے ہوئے تھی۔ ہر مرد رائے دہندہ جس کی عمر پچیس برس یا اس سے زیادہ ہو اور جس کا نام رجسٹر میں درج ہو اس حلقے سے رائے دینے کا حق رکھتا تھا جس میں وہ بستا تھا۔ صرف وہی لوگ جو دیوالیے ہوتے تھے یا جو فوج یا بحری بیڑے میں کام کرتے تھے یا جو قانونی طور پر حقوق شہریت سے محروم ہوتے تھے، رائے نہیں دے سکتے تھے۔ کوئی مستند رائے دہندہ جو ایک برس تک کسی ریاست میں سکونت پذیر رہا ہو ممبر منتخب ہو سکتا تھا۔

اگر پانچ برس سے پہلے ہی ریشتاخ توڑ دی جاتی تھی تو دوسرا انتخاب ساٹھ دن

کے اندر اندر ہوتا تھا۔ اور نئی ریشتاخ نوّے دن کے اندر بلالی جاتی تھی۔ ہر حلقہ اضلاع میں بٹا ہوا تھا۔ اور ہر ضلع کے مستند رائے دہندوں کی فہرست ووٹنگ سے کم از کم چار ہفتے پہلے شائع کر دی جاتی تھی تاکہ پبلک اس کا معائنہ کر سکے۔

سنہ ۱۹۰۳ء کے ایک قانون کی رُو سے رائے دہندگان کی رائیں صیغہ راز میں رکھی جاتی تھیں۔ جب رائے دہندہ پولنگ اسٹیشن پر پہنچتا تھا تو اسے ایک لفافہ اور ایک سادہ ووٹنگ پیپر مہیا کیا جاتا تھا جس پر سرکاری مہر ہوتی تھی۔ ایک کمرہ میں جو اسی غرض کے لئے مخصوص ہوتا تھا وہ اپنی پرچی پر نشان بناتا تھا۔ اور لفافہ میں بند کر دیتا تھا۔ کمرہ سے باہر نکلتے وقت وہ لفافہ یا تو افسر انتخابی کے حوالے کر دیتا تھا۔ یا تھیلے میں ڈال دیتا تھا۔

انتخابی بورڈ میں افسر انتخابی، اس کا ڈپٹی، سکریٹری اور تین اہلکار موجود ہوتے تھے انہیں کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا۔ انتخاب صبح کے دس بجے سے شام کے چار بجے تک ہوتا رہتا تھا۔ سات بجے کے بعد بورڈ رائے شماری کرتا تھا۔ اور نتائج مع آرا۔ اور دیگر ضروری کاغذات حلقہ کے انتخابی کمشنر کو بھیج دئے جاتے تھے۔ یہ کمشنر حکومت کے انتظامی شعبے کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا۔

دستوراً ریشتاخ کا ایک سال میں ایک مرتبہ اجلاس ہوتا تھا۔ دعوتی رقعے شہنشاہ کی طرف سے جاری ہوتے تھے۔ اور اجلاس کا افتتاح بھی یا تو بذات خود وہی کرتا تھا یا اپنے کسی نمائندے کو اس غرض کے لئے بھیج دیتا تھا۔ اجلاسوں میں حاضری بہت کم ہوتی تھی۔ سنہ ۱۹۰۶ء سے پہلے ریشتاخ کے ممبروں کو کوئی معاوضہ وغیرہ نہیں دیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں تین ہزار مارک (۵۰، پونڈ) سالانہ مقرر کیا گیا۔

عہدہ دار اپنے عہدہ دار ریشتاخ خود مقرر کرتی تھی۔ اس کا ایک صدر ہوتا تھا دو نائب صدر اور آٹھ سکریٹری ہوتے تھے۔ سنہ ۱۸۷۶ء کے منظور کردہ ہنگامی احکام کی رُو سے صدر اور نائب صدر پہلے اجلاس کے افتتاح پر مقرر کر لئے

جاتے تھے۔ یہ انتخاب عارضی طور پر صرف چار ہفتہ کے لئے ہوتا ہے۔ یہ مدت گذر جانے پر باقی سشن کے لئے دوبارہ انتخاب ہوتا تھا۔ اور پھر ہر اجلاس کے شروع میں ان عہدہ داران کا انتخاب فوراً ہی ہو جاتا تھا۔

سکریٹری ہر سشن کے آغاز میں پورے سشن کے واسطے چن لئے جاتے تھے۔ یہ عہدہ دار اس پارٹی سے لئے جاتے تھے۔ جو اکثریت میں ہوتی تھی۔ سشن شروع ہوتے ہی کل ممبران سات بیوروں میں منقسم ہو جاتے تھے۔ فرانس میں چیمبر آف ڈپٹیز کی کمیٹیاں ہر مہینے ٹوٹتی اور دوبارہ بنتی ہیں۔ اور اٹلی میں دو ماہ میں ایسا ہوتا ہے۔ مگر جرمن ریشتاخ کے بیورو تمام سشن تک غیر مبدّل رہتے ہیں۔ تاوقتیکہ پچاس ممبروں کی ایک جماعت از سرِ نو تشکیل پر اصرار نہ کرے۔

بیورو کا تنہا مصرف کمیٹیوں کے لئے افراد چننا ہوتا تھا۔ ریشتاخ صرف انتخابات کے لئے ایک اسٹینڈنگ کمیٹی ہوتی تھی۔ باقی سب اسٹینڈنگ کمیٹیاں حسب ضرورت بیورو کے ممبران بنا لیتے تھے۔ عموماً یہ کام پارٹی لیڈر کرتے تھے۔ ان کمیٹیوں کا کام یہ ہوتا تھا۔ کہ وہ قوانین پر غور و خوض کریں۔ اور ان کی شہادت جمع کر کے ایوان کے سامنے رکھیں۔ قوانین کے مسودے کسی صورت میں بھی کمیٹیوں کے حوالے نہیں کیے جاتے تھے۔

کارروائی مقررین صدر کی فوری اجازت حاصل کر کے بول سکتے تھے۔ تقریر کے لئے وہ اس پلیٹ فارم پر آ سکتے تھے جو صدر کی کرسی کے سامنے بنا ہوا تھا۔ یا اپنی جگہ ہی سے ایوان کو مخاطب کر سکتے تھے۔ انگلستان کے دار العوام کے اسپیکر کی مانند ریشتاخ کا صدر بھی غیر جانبدار سمجھا جاتا تھا۔ اور کسی مسئلہ پر بحث کے دوران میں باری باری موافقین اور مخالفین کو تقریر کرنے کا موقع دیتا تھا۔

تین ممبروں کی تحریک پر بحث و تمحیص بند کی جا سکتی تھی۔ ریشتاخ کے اجلاس فیڈرل کونسل کے اجلاس کے برخلاف عوام کے لئے کھلے ہوتے تھے۔ مگر ہنگامی احکامات

سے صدر یا دس ممبران کی تحریک پر ایوان کی کارروائی بند کمروں میں ہو سکتی تھی

محدود اختیارات حکمرانی

جہاں تک ریشتاخ کے اختیارات حکمرانی کا تعلق ہے۔ بظاہر دستور نے آئین سازی کلیتاً فیڈرل کونسل اور ریشتاخ کو سونپ دی تھی۔ مگر عملاً ریشتاخ ایک ماتحت جماعت تھی۔ اور یہ عام معاملات ملکی پر کوئی اثر نہیں رکھتی تھی۔ عموماً قانون فیڈرل کونسل ہی بناتی تھی۔

ریشتاخ کو قوانین تجویز کرنے کا حق تھا۔ مگر بہت کم۔ اہم قانون اسی طرح تجویز کئے جاتے تھے۔ حتی کہ مالی مسودے بھی فیڈرل کونسل ہی تیار کرتی تھی۔ ریشتاخ قانون اور بجٹ کا راستہ روک سکتی تھی۔ مگر چونکہ شہنشاہ یا چانسلر کے حکم سے وہ توڑی بھی جا سکتی تھی۔ اس لئے اس حق کے آزادانہ استعمال کا بھی اسے کم ہی موقع ملتا تھا۔

باب ۴۲
جنگِ عظیم کے بعد

حکومت عوام

۱۸۷۱ء کا یہ دستور ۱۹۱۴ء تک قائم رہا۔ جنگ عظیم میں جرمنی کے شکست کھانے اور انقلاب ہونے کے بعد تبدیلی چاہنے والی طاقتیں اور بھی قوی ہوگئیں۔ اور یہ ضروری ہوگیا کہ ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ ۱۹۱۸ء میں قیصر نے ایک اعلان کیا۔ اور یہ بات تسلیم کرتے ہوئے کہ صرف عوام کے نمائندوں کو حکمرانی کا حق حاصل ہے۔ پارلیمنٹ کی برتری کو قبول کرلیا۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں جرمنی میں ایک زبردست انقلاب ہوگیا۔ یہاں تک کہ قیصر کو تخت اور ولی عہد جرمنی کو اپنا حق وراثت چھوڑ دینا پڑا۔ جرمنی کے لئے آئندہ حکومت کا تصفیہ ہونے سے قبل ایک ریجنٹ مقرر کرنے کی صلاح ہوئی۔ لیکن حالات کا طوفان بہت زیادہ مخالف تھا۔ تمام ملک میں تیزی کے ساتھ مزدوروں اور فوجیوں کی کونسلیں قائم ہو رہی تھیں۔

سوشلسٹوں کی حکومت

۱۰ نومبر کو مزدوروں اور سپاہیوں کی برلن والی انجمن نے جرمن ری پبلک کے انتظام کیلئے ایگزیکٹو کمیٹی منتخب کی جس میں تین اکثریت والے سوشلسٹوں اور تین اقلیت والوں کے نمائندے شامل تھے۔ یہ کمیٹی عارضی نظام حکومت کے منتظمہ ادارے کی حیثیت میں حکمرانی کی باگ ڈور سنبھالے رہی اور بہت جلد اس نے ایک جدید رئیس تاج کے انتخاب کا اعلان کیا جس کا انتخاب عام، مساوی، بلاواسطہ تناسب

آبادی کے لحاظ سے اور پوشیدہ طریق انتخاب کے ذریعہ عمل میں آتا تھا۔ ہر جرمن عورت مرد کو جس کی عمر بیس برس کی ہو رائے دہی کا حق دیا گیا۔

مزدوروں اور فوجیوں کا اختلاف

مزدوروں اور سپاہیوں کی جماعتوں کے درمیان بڑا اختلاف تھا۔ دسمبر میں برلن میں دونوں جماعتوں کی کانفرنس ہوئی جس میں یہ تصفیہ طلب سوال سامنے رکھا گیا کہ آیا جرمنی میں حکومت کونسلوں کے سسٹم پر چلائی جائے یا یہ کام جماعت قانون ساز سے لیا جائے۔ بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ جماعتِ قانون ساز کا انتخاب ہو اور تمام اختیاراتِ حکمرانی اِسے دیدئے جائیں۔

۱۹۱۹ء کے شروع میں جماعتِ قانون ساز منتخب ہوئی جس میں ۴۲۱ ڈپٹی آئے۔ ان میں سے ۴۶ عورتیں تھیں۔ جرمنی کا موجودہ دستور اسی نیشنل اسمبلی کا بنایا ہوا ہے۔

۱۹۱۹ء کا دستور

۶ رفروری ۱۹۱۹ء کو ویمر کے تاریخی تھیٹر میں اس اسمبلی کا اجتماع ہوا۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ ریشتاخ کا عارضی دستور بنایا۔ عوام کی مقرر کردہ عارضی حکومت نے اپنے تمام اختیارات اسے سونپ دئے۔ کونسلوں کی ایگزیکیٹو کمیٹی کے سرکردہ ایبرٹ نامی کو ریشتاخ کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ اسمبلی نے دستور بناتے وقت غیر ممالک کے دستوروں کو پیشِ نظر رکھنے کے ساتھ ہی ملکی دشواریوں اور ضرورتوں کا بھی لحاظ رکھا۔ اور نئے دستور کی بنیاد ۱۸۴۸ء کے فرانکفورٹ والے دستور پر رکھی جو متحدہ جرمن قومیت کے تصور پر مبنی تھا اور جس میں وفاقیت سے زیادہ متحدہ قومیت پر زور دیا گیا۔ چنانچہ نئے دستور میں بھی ماتحت ریاستوں کا دائرہ اختیار بہت محدود کر دیا گیا۔ اور ہر ریاست کو ریشتاخ کا پابند رکھا گیا جسے ہر ریاستی دستور کی تکمیل میں ادل بدل کا اختیار ملا۔

عوام کا حقِ حکمرانی جدید دستور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ عوام کے حقوقِ حکمرانی پر زور دیا گیا۔ مسودۂ دستور کے آغاز میں ایک فصل رکھی گئی جس میں عوام کے بنیادی حقوق پر بحث کی گئی اور حکومتی اداروں کا تذکرہ حقوق کے اس تذکرہ کے بعد رکھا گیا تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ نظامِ حکومت کی بنیاد عوام کے حقوق ماننے پر رکھی گئی ہے۔

ریاستوں کی طرف سے اس دستور کی سخت مخالفت کی گئی اور سب ریاستوں نے ملکر ایک دستور اپنی طرف سے پیش کیا جسمیں وفاق کے قیام پر زور دیا گیا تھا۔ یہ مسودہ نیشنل اسمبلی کے سامنے رکھا گیا۔ پہلی خواندگی کے بعد بل اٹھائیس ممبروں کی ایک سلیکٹ کمیٹی کے سپرد ہو گیا۔ جو اس پر تفصیلی غور و خوض کرنے کے بعد دستوری ریشتاخ کے سامنے رپورٹ پیش کرنے کے کام پر لگائی گئی۔ جب بل سلیکٹ کمیٹی سے واپس ایوان میں آیا تو اس کی وضع قطع ہی بدل چکی تھی۔ جمہوری دستور کی نمایاں خصوصیتیں ریاستی مسودے میں بھی شامل کر دی گئیں اور اقتصادی اتحاد پر زور دیا گیا۔ ریاستوں کا مطالبۂ خود مختاری لفظاً قائم رکھا گیا مگر اصلاً اسے بالکل ختم کر دیا گیا۔

ماہِ جولائی میں دستور پر بحث شروع ہوئی۔ مابہ النزاع مسئلہ وہی ریاستوں کے حقوق کا سوال تھا اور آخر تک اس پر گرما گرم بحث ہوتی رہی۔ بالاخر چند ترمیموں کے بعد تصفیہ ہو گیا اور نیا دستور ۲۱ر جولائی ۱۹۱۹ء کو نافذ ہو گیا۔

موجودہ دستور جہاں تک تحریری دفعات کا تعلق ہے نئے دستور میں جرمن شہریوں کے انفرادی حقوق اور آزادی کی زیادہ سے زیادہ کھلی ہوئی تعریف کی گئی ہے اور ان کے تحفظ پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ دستور کی رو سے تمام جرمن باشندے یکساں ہیں اور بنیادی طور پر تمام عورتوں اور مردوں

کے فرائض اور حقوق شہریت مساوی ہیں۔ خاندان یا عہدہ کی بنا پر کسی کو خاص مراعات حاصل نہیں ہیں۔ شخصی آزادی سب کو حاصل ہے اور کوئی اسے سلب نہیں کر سکتا۔ تحریر و تقریر کی مکمل آزادی سب کو ہے۔ اقلیتوں کو اسکولوں اور عدالتوں میں اپنی مادری زبان استعمال کرنیکا حق ہے۔ ایسی جماعتیں جو قانونی طور پر ممنوع نہ ہوں قائم کی جاسکتی ہیں تاکہ ان کے ذریعہ ملک میں پُرامن نظم قائم ہو۔ تمام شہریوں پر "حکومت اور میونسپلٹی کی خدمت فرض" ہے۔

مخصوص صورت حالات میں قانون فوجی خدمت کا فریضہ بھی عائد کر سکتا ہے۔ اور مادرِ وطن کے تحفظ اور کثیر الاولاد خاندانوں کی امداد کا وعدہ کرتا ہے۔ اور ملک کی دماغی، اخلاقی اور جسمانی ترقی کا ذمہ لیتا ہے۔ دستور کے اس حصہ میں جو مذہب اور تعلیم سے متعلق ہے۔ عقائد، طریق عبادت اور مذہبی جماعتوں کے قیام کے سلسلہ میں آزادی کا یقین دلایا گیا ہے۔ حکومت کی طرف سے کسی خاص مذہب یا مذہبی ادارے کی امداد نہیں کی جاتی۔ سائنس فنون لطیفہ اور تعلیم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ تعلیم کے فروغ دینے میں حکومت اور قوم ایک دوسرے کے ساتھ اشتراکِ عمل کرتے ہیں۔ بچوں کا مدرسہ میں داخل ہونا لازمی ہے۔

دستور کا ایک حصہ حیاتِ قومی اور اقتصادی تنظیم کیلئے وقف کیا گیا ہے۔ انصاف بنیادی اصول ہے۔ قانونی حدود کے اندر رہ کر ہر فرد کو اقتصادی آزادی حاصل ہے۔ تجارتی معاہدوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ذاتی املاک کا حق عام ہے۔ حق وراثت قانون حکومت کی اجازت سے ممنوع نہیں ہے۔ آراضی کا استعمال اور اسکی تقسیم حکومت کی نگرانی میں ہوتی ہے تاکہ ہر فرد کو استعمال آراضی کا حق پہونچے اور ملک بدامنی سے محفوظ رہے۔ مگر آراضی پر ذاتی ملکیت کا حق بھی مُسلّم ہے۔ تمام قدرتی ذرائع حیات جیسے پانی وغیرہ حکومت کے کنٹرول میں ہیں۔ اسی طرح محنت مزدوری

بھی حکومت کے خصوصی تحفظ میں ہے۔ اور وہ مزدوروں کے مفاد کو سامنے رکھ کر انکی ترقی اور تنظیم کیلئے نئے نئے قدم اٹھا سکتی ہے۔

دستور میں ترمیمیں دستوری ترمیمیں پیش ہوتے وقت ایوان کے دو تہائی ممبروں کی موجودگی ضروری ہے اور ترمیمیں اسی وقت منظور ہو سکتی ہیں جب کل ممبروں میں سے جو موجود ہوں دو تہائی ترمیم کے حق میں رائے دیں۔ اس کے بعد صدر ترمیم کو قانون قرار دیدیتا ہے۔ اگر نیشنل کونسل کسی ترمیم کو مسترد کر دے جسے اسمبلی منظور کر چکی ہے تو دو ہفتہ کا وقفہ اسے دیا جاتا ہے کہ مخالف جماعت استصواب عامہ کا مطالبہ کر سکے۔ اگر مطالبہ نہ کیا جائے تو ترمیم قانون کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ورنہ بصورت دیگر ترمیم کی قسمت کا فیصلہ رائے دہندگان کی آرا پر ہوتا ہے۔ عوام بھی نمائندگان کی رائے کی پرواہ کئے بغیر اپنی طرف سے ترمیم پیش کر سکتے ہیں۔ اگر اکثریت اس ترمیم کو پیش کرنے کے حق میں ہو تو وہ قانون بن جاتی ہے۔ استصواب عامہ کا طریق بالکل وہی ہے جو ایسے مواقع پر سوئٹزرلینڈ میں اختیار کیا جاتا ہے۔

جرمن ریاستوں کی حیثیت جرمنی کا جدید دستور مکمل طور پر جمہوری ہے مگر اس کا نظامِ حکومت کا کچھ اس قسم کا ہے کہ ریاستوں کا وجود ناگزیر ہے۔ لیکن ان کی حیثیت خود مختارانہ نہیں جیسی گزشتہ نظام کے ماتحت تھی بلکہ وہ دولتِ جمہوریہ جرمنی کی ماتحتی قبول کرنے پر مجبور ہیں۔

ہر ریاست کیلئے جمہوری طرز حکومت رکھنا ضروری ہے۔ نمائندہ اسمبلی ہو اور وہ عام رائے دہی سے منتخب ہو۔ دوسرے ریاستوں کی حدودیں بدلی جا سکتی ہیں۔ اور ان ریاستوں کی مرضی کے بغیر جن پر اس فعل کا اثر پڑے گا نئی ریاستیں قائم کی جا سکتی ہیں۔

خارجی تعلقات، نوآبادیوں، سکہ سازی، پوسٹل سسٹم، محصولات، دیوانی اور فوجداری، قانون، اخبارات، امداد غربا، صحتِ عامہ، کان کُنی اور ریلوں وغیرہ کے معاملات پر مرکزی حکومت کو پورا اختیار حاصل ہے۔ اس کے علاوہ اگر مرکزی اور ریاستی حکومتیں مندرجہ بالا امور میں سے کسی ایک کو قبول کرنے سے گریز کریں تو صدر جمہوریہ بزور اُسے منوانیکا حق رکھتا ہے۔

قومی کونسل | قومی کونسل ریاستوں کے نمائندوں کا ایوان ہے۔ ہر وہ ریاست جس کی آبادی ایک کروڑ تک ہے ایک ووٹ کی حقدار ہے۔ اگر آبادی ایک کروڑ سے بڑھی ہوئی ہو تو فی کروڑ ایک ووٹ کے حساب سے نمائندے بھیجے جا سکتے ہیں۔ ریاستوں کے کابینوں کے ممبر ہی کونسل میں ان کی نمائندگی کرتے ہیں۔

کونسل اسمبلی کے منظور کردہ قوانین کو کلیتاً مسترد کر دینے کے اختیارات سے محروم ہے مگر یہ ان پر رائے عامہ طلب کرا سکتی ہے۔ قانون سازی کے معاملہ میں ہر اس تجویز پر جو وزرا ایوان کے سامنے رکھیں کونسل سے مشورہ لیا جانا ضروری ہے۔ گو پھر بھی کونسل کی عدم موافقت وزرا کو کسی اقدام سے باز نہیں رکھ سکتی۔ اس کے علاوہ کونسل وزرا کو اپنی تجاویز بھیجتی ہے اور کابینہ انھیں ایوان کے سامنے رکھتا ہے۔

صدر کی پوزیشن | صدر عوام کی رائے سے سات برس کیلئے منتخب ہوتا ہے اور وہ جتنی بار چاہیں اسے صدر بنا سکتے ہیں۔ نیشنل اسمبلی کے دو تہائی ممبروں کی اکثریت سے صدر معطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عوام کثرت رائے سے اسے علیحدہ بھی کر سکتے ہیں۔ جرمنی کی سپریم جوڈیشل کورٹ کے سامنے نیشنل اسمبلی صدر پر غداری کا الزام عائد کر سکتی ہے۔ صدر کے اختیارات یہ ہیں کہ وہ تمام سول اور ملٹری عہدہ داروں کے تقرر اور انھیں برخاست کرنے کا مجاز ہے۔

باب ۳۳

نازیوں کی ابتدا اور ان کا عروج

جنگِ عظیم میں اتحادیوں کے مقابلے پر شکست کھا کر ۳ر نومبر ۱۹۱۸ء کو جرمن فوجوں نے بغاوت کر دی۔ ۹ر نومبر کو قیصر کے دستبردار ہونے پر سوشل ڈیموکریٹوں اور کمیونسٹوں نے قیامِ جمہوریت کا اعلان کر کے ہر ریاست میں مزدوروں اور فوجیوں کی حکمراں کونسلیں قائم کر دیں۔ اور ان کے لیڈر ایبرٹ نے عنانِ حکومت سنبھال لی۔ ۳ر جون کو عارضی حکومت کی جگہ جرمن جمہوریت کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ جس کا پہلا صدر ایبرٹ بنا اور شیڈیمین کو پہلا چانسلر بنایا گیا۔

۲۵ر نومبر ۱۹۱۸ء کو ریاستوں کی نئی حکومتوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس برلن میں ہوئی اور اسمیں یہ فیصلہ کیا گیا کہ تمام جرمنی کے لئے ایک حکومت کا ڈھانچہ تیار کرنے کیواسطے فوراً ایک نمائندہ اسمبلی بلائی جائے۔ تازہ انتخابات ہونے تک ریاستوں میں مزدوروں اور سپاہیوں کی کونسلوں ہی کے ہاتھوں میں عنان اختیار رہنے دی گئی۔ ۱۹ر جنوری کو تازہ انتخابات ہوئے۔ ان میں جرمن نیشنل پیپلز پارٹی (German National Peophs Porty) جرمن پیپلز پارٹی، اور ڈیموکریٹک پارٹی وغیرہ سیاسی جماعتوں نے حصہ لیا۔

صلحنامہ ورسائی کا اثر ۲۸ر جون ۱۹۱۹ء کو صلحنامہ ورسائی پر دستخط ہوئے جس کی رُو سے جرمنی نے اتحادی طاقتوں کے مقابلے میں اپنی شکست تسلیم کی۔ جرمنی میں اس صلح نامے کی شرطوں کے خلاف ایک ہیجان

پیدا ہو گیا۔

ہٹلر کا سیاسیات میں داخلہ

انہی دنوں میں ہٹلر نیشنل سوشلسٹ جرمن مزدور پارٹی کے ممبر کی حیثیت سے سیاسیات میں داخل ہوا اس سے پہلے وہ جرمن فوج میں لینس کارپول تھا اور جنگِ عظیم میں محاذ جنگ پر لڑ چکا تھا۔ آگے چلکر یہی جرمن مزدور پارٹی نازی پارٹی بن کر ملک کی سیاسیات پر چھا گئی۔

اس پارٹی کی بنیاد پچیس اصولوں پر رکھی گئی جن کا مقصد ورسائی اور سینٹ جرمین کے صلحناموں کا رد، نوآبادیات کی واپسی، یہودیوں کا اخراج، سود پر پابندی رومی قانونوں کی جگہ جرمن قانون کا نفاذ اور اخبارات کو قومی بنانا وغیرہ تھا۔

مئی سنہ ۱۹۲۱ء میں ورتھ چانسلر بنا۔ اس نے مالی حالت سُدھارنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ اس لئے مستعفی ہو گیا اور نومبر سنہ ۱۹۲۲ء میں پیپلز پارٹی کا کیونو چانسلر بنا۔ جرمنی کی مالی حالت برابر گر رہی تھی۔ ماہ اگست سنہ ۱۹۲۳ء میں ایک مشترکہ حکومت بنی جن کا چانسلر سٹریسمین تھا۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں ہٹلر کی پارٹی تمام ملک میں مشہور ہو گئی۔ ۹ر نومبر سنہ ۱۹۲۳ء کو وہ میونک سے برلن پر چڑھائی کی غرض سے روانہ ہوا۔ مگر پولیس نے اس کی جماعت پر گولیاں برسائیں اور ہٹلر کو آٹھ ماہ کی سزا ہو گئی۔ ۲۴ر دسمبر سنہ ۱۹۲۴ء کو ہٹلر نے جیل سے باہر آکر اور بھی شدت سے کام شروع کر دیا۔

سنہ ۱۹۳۲ء تک ہٹلر کی پارٹی کے تقریباً سوا نو لاکھ ممبر ہو گئے تھے۔ اب اس نے حکومت پر قبضہ کرنے کیلئے جد و جہد شروع کی۔ ستمبر سنہ ۱۹۳۰ء کے پارلیمنٹ کے عام انتخاب میں ہٹلر کی پارٹی کے ۱۱۶ امیدوار کامیاب ہو گئے۔

مارچ سنہ ۱۹۳۲ء میں ہنڈن برگ کی مدتِ صدارت ختم ہوئی تو صدر جمہوریہ کا تازہ انتخاب ہوا۔ ہٹلر صدارت کیلئے امیدوار کھڑا ہو گیا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا

تاہم اس کی موافقت میں اتنے زیادہ ووٹ آئے کہ برونگ نے ڈر کے مارے ہٹلر کی پارٹی کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ مگر بعض وجوہات سے خود اسی کو وزارت سے استعفےٰ دینا پڑا۔ اور اس کی جگہ یکم جون ۱۹۳۲ء کو وان پاپین چانسلر بنا۔ اس نے ہٹلر کی تائید حاصل کرنے کیلئے اس کی مسلح پارٹی پر سے قانونی پابندیاں اٹھالیں۔

ہٹلر چانسلری کے منصب پر

۳۱ جولائی کے عام انتخاب سے ہٹلری پارٹی کے ۲۳۰ ممبر پارلیمنٹ میں پہونچ گئے۔ اب اس نے حکومت پر قبضہ کرنیکا مصمم ارادہ کرلیا۔ صدر ہنڈن برگ نے ہٹلر کو وائس چانسلر بنانا چاہا مگر اس نے چانسلری کا مطالبہ کیا۔ اب نازیوں پر سختی ہونے لگی۔ اور پاپین نے پارلیمنٹ کو توڑ ڈالا۔

اب شلائخر چانسلر بنا۔ مگر وہ بہت دن تک اس منصب پر نہ رہ سکا۔ ۳۰ جنوری ۱۹۳۳ء کو صدر جمہوریہ نے ہٹلر کو چانسلر بنا ہی دیا۔ چانسلر بنتے ہی اسنے خفیہ پولیس کی تنظیم کی اور کمیونزم کی بیخ کنی کی تدبیریں شروع کردیں۔

نازی ایک ایسی وسیع جرمن ایمپائر بنانی چاہتے ہیں جس میں سارا وسطی یورپ اُن کے زیر اثر ہو اور جس میں وہ نوآبادیاں بھی شامل ہوں جو جنگِ عظیم کے بعد جرمنی سے چھن گئی ہیں۔

نازی پارٹی منفی کارناموں کو جرمنی کی ترقی کیلئے ضروری خیال کرتی ہے۔ اس نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد لاکھوں یہودیوں کو ملک بدر کردیا۔ اخباروں پر کڑی نگرانی رکھی جاتی ہے، عورتوں کو ملکی زندگی میں حصہ لینے سے روک دیا گیا ہے۔ سابقہ معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوے روز بروز زیادہ تیزی سے اسلحہ جات تیار کئے جارہے ہیں۔ اسپین میں خانہ جنگی ہونے پر نازی حکومت نے بین الاقوامی ضابطۂ امن کو ٹھکرا کر کھلم کھلا فرانکو کی مدد کی۔ نازیوں کا نصب العین فی الوقت وسطی یوروپ پر تجارتی غلبہ اور حصول نوآبادیات ہے۔

KASHMIR UNIVERSITY
Iqbal Library

Acc No. 305982

ALLAMA IQBAL LIBRARY
305982

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN